# تنظیمِ اسلامی


A-67، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور، 54000

فون: 36316638، 36366638، 36293939 فیکس: 36313131

ای میل: markaz@tanzeem.org www.tanzeem.org


## مراکز حلقہ جات

| | فون | موبائل | ای میل |
|---|---|---|---|
| مالاکنڈ | 0945-601337 | 0345-9535797 | timergara@tanzeem.org |
| پشاور | 091-2262902 | 0333-9244709 | peshawar@tanzeem.org |
| اسلام آباد | 051-2841964 | 0333-5567111 | islamabad@tanzeem.org |
| راولپنڈی | 051-4866055 | 0333-5382262 | rawalpindi@tanzeem.org |
| مظفر آباد | 0992-504869 | 0300-7879787 | muzaffarabad@tanzeem.org |
| گوجر خان | 051-3516574 | 0321-5564042 | gujjarkhan@tanzeem.org |
| گوجرانوالہ | 055-3891695 | 0300-7446250 | gujranwala@tanzeem.org |
| گلبرگ لاہور | 042-35845090 | 0300-4708607 | lahoreeast@tanzeem.org |
| سمن آباد لاہور | 042-37520902 | 0323-8269336 | lahorewest@tanzeem.org |
| عارف والا | 0457-830884 | 0300-4120723 | arifwala@tanzeem.org |
| فیصل آباد | 041-2624290 | 0321-6676695 | faisalabad@tanzeem.org |
| سرگودھا | 048-3713835 | 0300-9603577 | sargodha@tanzeem.org |
| ملتان | 061-6520451 | 0321-6313031 | multan@tanzeem.org |
| سکھر | 071-5631074 | 0345-5255100 | sukkur@tanzeem.org |
| حیدر آباد | 022-2106187 | 0333-2608043 | hyderabad@tanzeem.org |
| یاسین آباد کراچی | 021-34816580 | 0345-2789591 | karachinorth@tanzeem.org |
| سوسائٹی کراچی | 021-34306041 | 03333503446 | karachisouth@tanzeem.org |
| کوئٹہ | 081-2842969 | 0346-8300216 | quetta@tanzeem.org |

# تزکیۂ نفس

## • اسراف • بخل • دکھاوا

## باب دوم

شعبہ خواتین

تنظیمِ اسلامی

67۔اے علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور۔

فون: 36366638, 36316638, 36293939 فیکس: 36313131

ای میل: markaz@tanzeem.org ویب سائٹ: www.tanzeem.org

# فہرست

## اسراف



## بخل

## دکھاوا

# اسراف

لفظ اسراف کا مفہوم:

اسراف کا لفظ قرآن میں استعمال ہوا ہے، اسی سے ملتا جلتا ایک اور لفظ بھی قرآن میں آیا ہے یعنی ''غلو'' (exaggeration) اسی طرح ایک اور لفظ بھی قرآن میں استعمال ہوا ہے'' تبذیر'' یعنی بہت زیادہ فضول خرچی کرنا (wasteful extravagance)، اسی طرح اسراف کے لئے مزید بھی کئی الفاظ استعمال ہو سکتے ہیں۔ ہم اس گفتگو میں اسراف کا کوئی محدود مطلب نہیں لیں گے بلکہ جامع انداز میں بات کریں گے۔ یہ لفظ جب ہم سنتے ہیں تو خیال محض پیسے کی طرف جاتا ہے کہ صرف مالی معاملات ہی میں اسراف کیا جاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ زیادہ تر اسراف پیسے ہی میں ہوتا ہے لیکن دیگر نعمتیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دی ہیں، مثلاً بول چال، کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے میں بھی اسراف کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اپنی طرزِ زندگی کو جانچیے کہ اس کے سوا ہم کہاں کہاں اسراف کا شکار ہو رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ (الاعراف: ۳۱)

''کھاؤ پیو مگر اسراف مت کرو بے شک اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں سے محبت نہیں فرماتا۔''

انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنی اپنی قوموں سے فرمایا تھا:

﴿ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴾ (الاعراف: ۸۱)

''بلکہ تم حد سے بڑھنے والے لوگ ہو۔''

دراصل ہماری زندگی میں کئی جگہ پر اسراف ہو رہا ہوتا ہے لیکن ہمیں اس کا شعور نہیں ہوتا، اس سرسری سا اندازہ کسی کے طرزِ زندگی (life style) دیکھ کر لگایا جا سکتا ہے۔

سورۃ الفرقان میں نیک لوگوں کی صفت آئی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا ﴾(٦٧)

''(نیک لوگ وہ ہوتے ہیں) کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو وہ اسراف نہیں کرتے۔''

سورۃ المؤمن کی اٹھائیسویں آیت میں فرمایا:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّاب﴾

''بے شک اللہ نہیں ہدایت دیتا اسراف کرنیوالے کو، جھوٹے کو۔''

اس آیت میں دو الفاظ آئے ہیں مُسرف اور کذّاب یعنی اسراف کرنے والا اور بہت جھوٹ بولنے والا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ باتوں میں بھی اسراف کیا جاسکتا ہے۔ جب انسان بہت زیادہ بولتا ہے تو جھوٹ بولنا آسان ہوجاتا ہے۔ سورۂ مومن میں ایک اور آیت آتی ہے:

﴿كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ﴾ (۳۴)

''اور اسی طرح اللہ گمراہ کرتا ہے ہر اس شخص کو جو اسراف کرنے والا، شک میں پڑنے والا ہو۔''

سورۂ دخان میں فرعون کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ (۳۱)

''وہ بڑا سرکش اسراف کرنے والوں میں سے تھا۔''

ان تمام آیات پر غور کریں تو محسوس ہوتا ہے کہ اسراف کے معنی فضول خرچی کرنے سے کہیں زیادہ وسیع ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ دو چار پیسے زیادہ خرچ کرنے والوں کو اتنا سخت عذاب نہیں دیگا۔ سو ان صفحات میں ہم جاننے کی کوشش کریں گے کہ مالی معاملات کے علاوہ اسراف کہاں کہاں کیا جاتا ہے۔

اسراف اور غلو کے لغوی معنی:

پہلے ''اسراف'' اور ''غلو'' کا مطلب سمجھتے ہیں۔ ان دونوں الفاظ کا مطلب ہے کسی کام کے فائدہ مند حد سے آگے بڑھ جانا۔ جس کی وجہ سے وہ کام بے کار یا الٹا نقصان کا سبب بن جائے اس کو اسراف کہتے ہیں۔ اس کی ضد بخل ہے اور درمیانی نقطہ اعتدال ہے تو پتہ چلا کہ فائدہ مند حد تک کسی چیز کو استعمال کرنا اسراف نہیں ہے۔ بلکہ چیز کو ضائع (waste) کرنا یا ایسے استعمال کرنا کہ اس سے دنیا یا

آخرت میں نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔

آواز کا اسراف:

آواز کا اسراف یہ ہے کہ جہاں کم اور دھیمی آواز سے ضرورت پوری ہوسکتی ہے وہاں اُونچی آواز استعمال کی جائے۔ مثلاً استاد کلاس میں طلبہ سے مناسب آواز میں بات کررہا ہو جو کہ تمام طلبہ کو پہنچ رہی ہو، سب کی ضرورت کو پورا کررہی ہو تو اتنی آواز فائدہ مند ہے، کافی ہے، سب کے بات سمجھ میں آرہی ہے۔ لیکن وہی استاد اپنی کلاس میں چیخنا شروع کردے، بلاوجہ اونچی اونچی آواز میں بولنا شروع کردے تو اس سے ایکدم کلاس میں بے چینی شروع ہوجائے گی، سماعت پر ناگوار گزرے گی، سر میں درد شروع ہوجائے گا۔ جب ہم پر تیز آواز اتنی گراں گزرتی ہے تو بچوں پر جب ہم گلا پھاڑ کر چیختے ہیں تو ان پر کیا اثر ہوتا ہوگا۔ اس رویے سے بجائے فائدے کے نقصان ہوتا ہے، گفتگو اپنا اثر کھودیتی ہے، جو آپ کہنا چاہتے ہیں اس سے لوگوں کی توجہ ہٹ جاتی ہے۔ آواز کی کرختگی اور بلندی سے دھیان بٹ جاتا ہے، اس مضر آواز (noise pollution) سے آپ کا بھی گلا دکھا اور مقصد بھی حاصل نہ ہوا بلکہ اُلٹا نقصان ہوا!

ہم آواز کا بے جا اور بے انتہا اسراف کرتے ہیں، بچوں پر، نوکروں پر، فون پر بات کرتے ہوئے اور بچوں پر تو خاص طور پر اس کے بہت بُرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ غصہ میں ہماری آواز خود بخود بلند ہوجاتی ہے، بجائے اس کے کہ گھر میں کسی سے اگر کوئی غلطی یا قصور ہوجائے تو اس کے پاس جاکر آہستگی اور تحمل سے بات کریں اور سمجھائیں۔ اس کا نتیجہ یقیناً بہت اچھا نکلے گا، پُراثر (effective) بات ہوگی، اُس کو اپنی غلطی کا احساس ہوگا۔ جب انسان بلاوجہ چیخ و پکار کرتا ہے تو اپنا مقام کھو بیٹھتا ہے۔ لوگ اس کی بات کو اہمیت نہیں دیتے اور لوگوں کے اندر منفی جذبات پیدا ہوجاتے ہیں۔ زور سے بولنے سے بات پُراثر نہیں ہوتی بلکہ بے اثر ہوجاتی ہے، اسراف کا یہی نقصان ہے۔

قرآن میں ہمیں آواز کے اسراف پر ہدایت ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ لقمان میں آواز کے بارے فرمایا:

﴿وَاغۡضُضۡ مِنۡ صَوۡتِكَ اِنَّ اَنۡكَرَ الۡاَصۡوَاتِ لَصَوۡتُ الۡحَمِيۡرِ﴾ (۱۹)

''اوراپنی آواز ذراپست رکھو بے شک سب سے بُری آواز گدھے کی آواز ہوتی ہے۔''

گدھا اپنی آواز پر قابو نہیں رکھ سکتا وہ جب بھی آواز نکالتا ہے چیخ و پکار کی صورت میں نکلتی ہے۔ گدھے کی تو مجبوری ہے وہ تو بولتا ہی اس طرح ہے اور اُس کا اس طرح بولنا قابلِ اعتراض نہیں ہے لیکن انسان جب اس طرح گلا پھاڑ کر چیخنے لگ جائے اور گدھے کی مشابہت اختیار کر لے تو یہ انتہائی خطرناک طرزِ عمل ہے۔

باتوں میں اسراف:

بولنا، بولنا اور بے تحاشا بولتے چلے جانا باتوں میں اسراف ہے۔ اتنی باتیں کرنا کہ دوسرے کو اپنی بات کہنے کا موقع ہی نہ ملے، چھوٹی چھوٹی تفصیلات بتاتے چلے جانا، بات کو کھینچ تان کر طول دینا کہ انسان خود ہی بھول جائے کہ بات کہاں سے شروع کی تھی۔ یہ اندازِ گفتگو سراسر اسراف پر مشتمل ہے۔ انسان کو مناسب حد تک بات کرنی چاہئے، دوسروں کی بھی بات سنے، غیر ضروری تفصیلات سے گریز کرے، نہ دوسرا آپ کی باتوں سے بور ہو اور نہ آپ پر بوجھ پڑے۔ بہت لمبی بات کرنے والوں سے لوگ گھبراتے ہیں، کتراتے (avoid) ہیں لہٰذا بات میں بخل نہ کریں اور نہ اسراف ہی کریں، نپی تلی بات سوچے سمجھے الفاظوں میں کریں۔ بعض دفعہ لوگ گھسے پٹے جملے دہراتے رہتے ہیں، اتنا ہنستے ہیں کہ حد ہو جاتی ہے یا کچھ الفاظ اُن کے تکیہ کلام بن جاتے ہیں یا تاکیداً دہرائے چلے جاتے ہیں یہ بھی اسراف ہے جس سے آپ کی طاقت ضائع ہوتی ہے۔ غیر ضروری تفصیلات بات کو بوجھل کر دیتی ہیں، لوگوں پر سننا ناگوار گزرتا ہے۔

جسمانی حرکات میں اسراف:

جسمانی حرکات میں اسراف یہ ہے کہ مثلاً آپ نے مشاہدہ کیا ہوگا کچھ لوگ بیٹھے ہوئے مسلسل حرکت کرتے رہتے ہیں ٹانگیں ہلاتے رہتے ہیں، ہاتھ چلاتے رہتے ہیں، بعض لوگ چل چل کر پڑھاتے ہیں۔ لیکچر دیتے وقت اِدھر سے اُدھر، اُدھر سے اِدھر چلتے پھرتے بات کرتے ہیں۔ یہ افعال

بھی سننے والوں کو یکسو نہیں ہونے دیتے۔انسان کی جسمانی حرکات (body language) پُراعتماد ہونی چاہئیں۔اسی طرح بات کرتے ہوئے بار بار ناک کو چھونا انتہائی بُرا تاثر ڈالتی ہے۔بعض لوگوں کی جسمانی حرکات (body language) یہ پیغام دے رہی ہوتی ہیں کہ یہ صاحب اوپر سے تو بڑے پرسکون نظر آنے کی کوشش کررہے ہیں مگر اندر سے خوف زدہ (anxiety) ہیں، پریشانی کا شکار ہیں اس پر قابو پانا ضروری ہے۔خاص طور پر انٹرویو وغیرہ میں تو ہاتھوں کو باندھ کے آرام وسکون کے ساتھ بیٹھ جائیں اور غیر ضروری حرکات سے پرہیز کریں۔بعض لوگ ہر وقت (chewing gum) چباتے رہتے ہیں یا پھر منہ میں الائچی یا سپاری رکھ کر منہ چلاتے رہتے ہیں، یہ بھی نامناسب ہے۔

ایک اور انداز یہ ہوتا ہے کہ فون پر کسی کو راستہ بتاتے ہوئے زبان کے ساتھ ساتھ ہاتھوں کا بھی استعمال کررہے ہوتے ہیں۔تھوڑے بہت تو ہاتھ فطری طور پر چلتے ہی ہیں، کبھی کبھار بات کرتے ہوئے کوئی بات (point) سمجھاتے ہوئے ہاتھوں سے مدد لینا ضروری ہوتا ہے۔نبی اکرم ﷺ بھی اس طرح کیا کرتے تھے، لیکن دائیں بائیں گھومنا اور ایک طرح سے ناچتے رہنا ٹھیک نہیں ہے اس سے توجہ بٹتی (divert) ہے۔یہ بھی درست نہیں یہ بھی اسراف کے اندر آتا ہے۔اسراف سے معاشرے میں بدنظمی پیدا ہوتی ہے۔

ابھی تک ہم نے اسراف کے ضمن میں جو گفتگو کی یعنی آواز، بول چال، حرکات وسکنات کا اسراف یہ چیزیں خدانخواستہ گناہ میں شامل نہیں ہوتیں فقط مکروہ ہیں۔اللہ سے امید ہے کہ وہ ان چیزوں کی وجہ سے کسی کو ہلاک نہیں کرے گا۔روحانی سکون اور اخلاق میں شائستگی کی خاطر یہ چیزیں ناگزیر ہیں تاکہ ہماری شخصیت بدنما نہ ہو۔یہ سب اس لئے ہے کہ ہم اپنے آپ کو سنوار رہے ہیں، اپنا تزکیہ کررہے ہیں۔اپنے ظاہر کو اور باطن کو ساتھ ساتھ سنوارنا ہے، خود کو شائستہ بنانا ہے تاکہ ہم دوسروں کی نظر میں بھی بدنما نہ لگیں۔یہ آواز کا اسراف اور جسم کا اسراف خود آپ کے لیے بھی نقصان دہ ہوتا ہے کیونکہ ایسے لوگ دیکھنے میں اچھے نہیں لگتے، متاثر نہیں کرتے، یہ ایک خامی ہے اس کو سدھارنا چاہئے۔

## اعتراض میں اسراف:

ایک اور چیز قابلِ غور ہے اعتراض میں اسراف کیسے ہوتا ہے؟ اعتراض کرتے ہوئے مبالغہ آرائی (sweeping statement) کرنا مثلاً ہزار دفعہ کہا ایسا مت کرو، سو دفعہ بات سمجھائی ہے پھر بھی سمجھ میں نہیں آرہا، اس کو اسراف کہتے ہیں، البتہ یہ جھوٹ میں شمار نہیں ہوگا کیونکہ یہ ایک محاورہ ہے، ایسے الفاظ محاورۃً استعمال ہوتے ہیں۔ مگر یہ گفتگو کی خامی ہے اس سے جھنجلاہٹ (irritation) شروع ہو جاتی ہے، اس قسم کا رویہ سامنے والے پر منفی اثر ڈالتا ہے، ڈھٹائی آنے لگتی ہے۔ جب ہم مبالغہ (sweeping statement) کرتے ہیں تو ہماری بات کا اثر آہستہ آہستہ زائل ہونے لگتا ہے۔ پھر ہماری ڈانٹ بچوں کے لیے ایک عام سی بات ہو جاتی ہے، وہ اس لہجے کے عادی ہو جاتے ہیں۔ آزما کر دیکھ لیں جو مائیں، بزرگ اور بڑے اس طرح چھوٹے بچوں پر غصہ کرتے ہیں تو وہ بڑوں کی باتوں پر توجہ دینا چھوڑ دیتے ہیں، سنی ان سنی کرنے لگتے ہیں، ایک طرح کا دفاعی نظام defence) (mechanism بنا لیتے ہیں۔ سوچتے ہیں ان کی تو عادت ہے، یہ تو اسی طرح بات کرتے ہیں، ہر چیز کو بڑھا چڑھا کر بتاتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں میں کہنا کیا مصیبت ہے! کیا آفت آرہی ہے! میں تو تنگ آگئی ہوں اس گھر سے۔ یہ بھی اعتراض میں اسراف ہے ایسی بات کو تکیہ کلام بنا لینا کوئی اچھی خوبی یا خاصیت نہیں۔ سو ان الفاظ سے گریز کرنا چاہئے، ایسے الفاظ کے استعمال سے بچنا چاہئے۔

## تنقید کرنے میں اسراف:

تنقید کرنے میں بھی اسراف کیا جاتا ہے۔ کسی نے کوئی کام غلط کیا، کوئی نادانستہ غلطی سرزد ہوگئی اب جتنی غلطی ہے اُسی حد تک تنقید کرنی چاہئے۔ اِس میں مبالغہ آرائی کرنا، آسمان و زمین کے قلابے ملانا درست نہیں۔ مخصوص (specific) کر کے بتائیں کہ تم نے فلاں وقت جھوٹ بولا تھا لیکن یہ کہنا کہ تم ہمیشہ ایسے ہی جھوٹ بولتے ہو، یہ تو تمہاری عادت ہی ہے، تم نے کبھی کوئی کام ٹھیک سے کیا بھی ہے، کبھی کوئی ڈھنگ کی بات بھی کر لیا کرو، ہمیشہ جھوٹ بولتے ہو، تم سے کبھی کھانا ٹھیک پکتا ہی نہیں، یہ انداز اختیار کرنا اسراف ہے۔ ان الفاظ کا اثر صرف سننے والے پر ہی نہیں ہوتا بلکہ کہنے والے

میں بھی ہیجان پیدا ہوتا ہے۔ پارہ اوپر چڑھنے لگتا ہے یہ کہہ دینا کہ تم نے ظہر کی نماز قضا کردی اور یہ کہنا کہ تم تو روزانہ نماز قضا کر دیتے ہو، ان دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے۔ دوسری بات سے سامنے والے میں منفی ردعمل پیدا ہوگا، وہ ٹھان لے گا کہ اچھا اب نہیں پڑھونگا، ایک بار نہ پڑھنے پر سارے کئے کرائے پر پانی پھیر دیا۔ یہ تنقیدی انداز اچھا نہیں ہے۔

خواتین کی جب اُن کے شوہروں سے لڑائی ہو جائے تو فوراً کہہ دیتی ہیں۔ آپ نے تو کبھی خیال ہی نہیں کیا، آپ کی تو ہمیشہ سے یہی عادت ہے یا پھر ساس نندوں سے لڑائی ہوگئی ان کی بھی ساری اچھائیوں اور خوبیوں کو بُھلا دیا اور کہا کہ آپ ہمیشہ ایسا ہی کرتی ہیں اور یہی کچھ کہتی ہیں۔ اچھے بُرے حالات آتے جاتے رہتے ہیں کوئی ہمیشہ کے لئے بُرا یا ہمیشہ کے لئے اچھا نہیں ہوتا، اتنی تنگ نظری مناسب نہیں ذرا وسعت پیدا کرنی چاہئے۔ تعلقات اور معاملات میں جو بات موثر (effective) ہوسکتی ہے، کاٹ دار لہجے اس کو غیر موثر بنا دیتے ہیں۔ غیر ضروری تاکید (over emphasize) بات کو غیر موٴثر بنادیتی ہے اور وہ بات تعمیر (construction) کے بجائے تخریب (destruction) کا سبب بن جاتی ہے۔ یہ انداز ہمارے معاشرے کا مزاج بنتا ہی چلا جارہا ہے۔

**تعریف میں اسراف:**

تنقید کے برعکس تعریف کو بھی دیکھ لیتے ہیں، ہماری نفسیات میں یہ شامل ہے کہ جو چیز اچھی لگتی ہے اس کی تعریف میں زمین اور آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں۔ اور ہمیں اس کی اتنی عادت ہوگئی ہے کہ ایک نارمل تعریف، جائز تعریف تو ہمیں تعریف لگتی ہی نہیں۔ مثال کے طور پر کسی نے دعوت دی، کھانا پکایا مہمانوں نے ایک بار کہہ دیا کہ کھانا اچھا تھا تو میزبان کو لگتا ہے شاید کھانا پسند نہیں آیا جب تک ایک ایک نوالہ کھا کر تعریف نہ کریں، گُن نہ گائیں، قصیدے نہ پڑھیں ہمیں لگتا ہی نہیں کہ تعریف کی گئی ہے۔ مبالغے میں یقیناً جھوٹ کا عنصر شامل ہوتا ہے تو مناسب حد تک تعریف ٹھیک ہے تعریف کے اندر مبالغہ ناپسندیدہ ہے۔

ذاتی طور پر کسی کی تعریف میں مبالغہ مت کریں۔ اُس کے نفس کو شر اور آزمائش میں مت

ڈالیں۔ بخاری اور مسلم میں حدیث موجود ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا وہ کسی کی تعریف کر رہا ہے اور تعریف میں مبالغہ کر رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وَيْلَكَ قَطَعْتَ عُنُقَ صَاحِبِكَ قَطَعْتَ عُنُقَ صَاحِبِكَ مِرَارًا ثُمَّ قَالَ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَادِحًا أَخَاهُ لَا مَحَالَةَ فَلْيَقُلْ أَحْسِبُ فُلَانًا وَاللّٰهُ حَسِيبُهُ وَلَا أُزَكِّي عَلَى اللّٰهِ أَحَدًا))(١)

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افسوس ہے تجھ پر تو! تُو نے اپنے ساتھی کی گردن کاٹ ڈالی تو نے اپنے ساتھی کی گردن کاٹ ڈالی۔ پھر فرمایا کہ اگر کسی کے لیے اپنے کسی بھائی کی تعریف کرنی ضروری ہو جائے تو یوں کہے کہ میں فلاں شخص کو ایسا سمجھتا ہوں، آگے اللہ خوب جانتا ہے، میں اللہ کے سامنے کسی کو بے عیب نہیں کہہ سکتا۔''

اس حدیث سے دوسری بات یہ پتہ چلی کہ حوصلہ افزائی کے طور پر تھوڑی بہت تعریف ہو جائے تو اس کی اجازت ہے لیکن بے حد تعریف (flattery) اسراف اور مبالغہ ہے جو کہ بہت ناپسندیدہ ہے۔ مزید یہ کہ تعریفی کلمات میں اپنی کم علمی کا اعتراف اور اللہ کے کامل علم کا ذکر بھی کرنا چاہئے تا کہ تعریف میں اُس کے غلط ہونے کی گنجائش رہے۔

تعریف سُن کر انسان کا نفس موٹا ہوتا ہے، کان منتظر ہوتے ہیں کہ لوگ آ کر میرے کام کی تعریف کریں، اس میں دکھاوا شامل ہوتا ہے، نیت کے اندر بگاڑ آتا ہے۔ جب لوگوں سے تعریف سننے کا شوق پیدا ہوتا ہے تو اللہ سے اجر پانے کا شوق مدھم پڑتا چلا جاتا ہے۔ ایک انسان اگر فرض سمجھ کر کام کرے، اس کو نیکی سمجھ کر کرے، اللہ کے لئے کرے اور لوگوں سے ہرگز صلہ نہ چاہے تو اُس کو لوگوں کی تعریف پر کان نہیں دھرنے چاہئیں، تعریف میں مبالغہ اور اسراف بہت ناپسندیدہ ہے اور اس کے اندر پھر جھوٹ بھی شامل ہو جاتا ہے۔

---

(١) البخاری، کتاب الشھادات، باب اذا زکیٰ رجل رجلاً کفاہ

مثال کے طور پر آپ نے کسی کو بہت عرصہ بعد دیکھا تو پتہ چلا کہ اس نے وزن کم (dieting) کیا ہے۔اب آپ اُس کی اس طرح تعریف کریں کہ بہت جوان (young) لگ رہے ہو، حالانکہ بعض اوقات وزن گھٹا کر انسان زیادہ بوڑھا لگنے لگتا ہے، تازگی ختم ہو جاتی ہے تو تعریفوں کے پُل باندھنے کے بجائے بس اتنا کہہ دیں کہ آپکا وزن کم لگ رہا ہے۔ساتھ جھوٹی تعریفیں کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ کہ آپ تو جوان ہو گئی ہیں، بیس سال کی لگ رہی ہیں وغیرہ وغیرہ۔کائنات میں صرف ایک ہی ہستی ہے جس کی تعریف میں اسراف نہیں ہو سکتا اور وہ اللہ کی ذات ہے۔اُس کی جتنی تعریف کی جائے، جتنی حمد و ثنا کی جائے کم ہے، اللہ کے بہت سارے نام مبالغے کے صیغوں میں آتے ہیں مثلاً غفور بہت بخشنے والا، رحمٰن بے پناہ رحم کرنے والا وغیرہ۔لیکن انسانوں کی تعریف میں مبالغہ کیا جائے، غُلو کیا جائے تو یہ چیز شرک تک لے جاتی ہے۔

تعریف اور تعظیم میں اسراف سے بہت بچنے کی ضرورت ہے۔حوصلہ افزائی کی حد تک تعریف کریں، معاشرتی روابط (social contact) کو خوشگوار بنانے کی حد تک کریں، اس سے زیادہ نہیں۔جیسے اگر کسی نے بہت محنت سے کھانا پکایا ہے، اچھا پکایا ہے تو کہہ دیجئے کہ اچھا پکایا ہے۔کوئی لباس اچھا لگ رہا ہے تو تعریف کر دیں کہ یہ لباس آپ پر اچھا لگ رہا ہے کوئی حرج نہیں لیکن اسراف اچھا نہیں۔

**جذبات کا اسراف:**

اسی طرح جذبات کا اسراف (emotionally extravagant) بھی ہم اپنے معاشرے میں کثرت سے دیکھتے ہیں، لوگوں کا ایک ڈرامائی سا انداز (melodramatic style) بن گیا ہے۔کسی کا انتقال ہو جائے تو قریبی رشتہ دار غمگین ہوتے ہیں، روتے بھی ہیں لیکن اگر بے ہوش نہیں ہو رہے، دورے نہیں پڑ رہے، محض خاموشی سے آنسو بہا رہے ہیں، زبان سے کچھ نہیں بول رہے جو کہ عین سنت طریقہ ہے، تو لوگ سمجھتے ہیں کہ ان لوگوں کو غم ہی نہیں ہے، اور اگر کوئی بین کرتا ہے، دہاڑیں مار مار کر روتا ہے، غش کھاتا ہے، منہ پیٹتا ہے، سر کے بال نوچتا ہے تو ہی سمجھتے ہیں کہ ان لوگوں کو

غم ہے۔ کیونکہ لوگوں کو تماشا دیکھنا اچھا لگتا ہے، لوگوں کو متاثر کرتا ہے، جگہ جگہ ایسے واویلے کا چرچا ہوتا ہے، یہ اسراف ہے۔ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ نے غم کے اظہار کا طریقہ بھی بتایا ہے۔ لہٰذا سوگ منانے میں آپ ﷺ کی تعلیمات کو مدنظر رکھنا چاہئے۔

دوسری چیز یہ کہ ایسے موقعوں پر ہم وقت کا بھی بہت اسراف کرتے ہیں۔ مثلاً کسی گھر میں اگر انتقال ہو جائے تو اولاد یا قریبی رشتہ دار سب سے پہلے کیا کرتے ہیں کہ تین دن کی چھٹی لے کر گھر بیٹھ جاتے ہیں۔ یہ ہمارے ہاں طے شدہ (understood) ہے، غم کیساتھ چھٹی تو ضروری ہے جبکہ سوگ منانا اور چیز ہے اور کام کو معطل کر دینا مختلف چیز ہے۔ ہمارے ہاں تعطیل کا مغربی تصور (modern concept) ہے۔ اگر آپ نبی اکرم ﷺ کی سیرت پڑھیں تو حیران رہ جائیں گے۔ ایک طرف آپ ﷺ کی صاحبزادی کا انتقال ہوا اور دوسری طرف آپ نے بدر کی جنگ لڑی۔ یہ سرگرمی اپنی جگہ، بیٹی کا غم اپنی جگہ۔ آپ یہ کہیں نہیں پڑھیں گے کہ کسی کے انتقال کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ تین دن کے لئے سب سے کٹ کر بیٹھ گئے یا پھر میت کے اقرباء کو تلقین کی کہ الگ تھلگ بیٹھ جاؤ، کوئی کام نہ کرو۔ خوشی نہ منانا اور چیز ہے اور کوئی کام نہ کرنا دیگر چیز ہے۔ اس کے بعد عید بھی آئی اس لئے کہ غزوۂ بدر رمضان میں ہوئی تھی تو سب نے عید کی خوشیاں بھی منائیں۔ اس لئے کہ اسلام میں سوگ تین دن کا ہے۔ یہ حیرت انگیز توازن (amazing balance) آپکو سیرت میں نظر آئیگا۔ ہم نے تو اس کو لازم وملزوم کر لیا کہ اگر میت کے گھر والے کام کر رہے ہیں تو یہ مرنے والے کی بے حرمتی ہے اور اس کو مرنے والے کا غم نہیں، جس نے غم نہ منایا اس نے مرنے والے کی تعظیم نہ کی۔ دراصل کام کرنے سے غم دور ہوتا ہے اسی لیے انسان جلد از جلد مصروف ہو جائے تا کہ زندگی معمول پر آ جائے۔ یہ جذبات کا اسراف ہے اور غور طلب بات یہ ہے کہ اگر گھر میں بیٹھ کر قرآن پڑھا جائے اور ایصالِ ثواب کیا جائے تو کسی کو اعتراض نہیں ہوگا لیکن اگر کسی کی موت پر کوئی قرآن پڑھانے کہیں اور چلا گیا یا قرآن پڑھنے کیلئے گھر سے باہر کہیں چلا گیا تو تنقید کرینگے، بُرا بھلا کہیں گے، بڑے دیندار بنتے ہیں آج بھی کلاس لینے چلے گئے۔ گویا صرف قرآن پڑھنے کو نیکی نہیں سمجھتے بلکہ وہاں بیٹھ کر پڑھنے کو نیکی سمجھتے ہیں۔ جو اس دنیا سے چلا گیا ہم اس کو

استغفار کا تحفہ بھیج سکتے ہیں، اگر ہمارا کوئی قریبی رشتہ دار تھا، تو ہم ان کے لئے صدقہ جاریہ بننے کی کوشش کریں۔ لیکن ایک رسم بن گئی ہے کہ سب بیٹھے رہیں، روتے رہیں اور اس طرح سے جذبات میں اسراف کرتے رہیں۔

خوشی کے موقعوں پر بھی آپکو یہی اسراف محسوس ہوگا، خوش ہوں گے تو بے پناہ خوشیاں منائیں گے، بلند آواز قہقہے، ٹھٹھے اور شادی بیاہ کے موقع پر تو اسراف ہی اسراف نظر آتا ہے۔ اس میں بالکل توازن برقرار نہیں رہتا۔ یہ جذبات میں اسراف کہ خوش ہوئے تو بے تحاشا خوش، افسردہ ہوئے تو بے انتہا افسردہ۔ یہ پنڈولم کی سوئی جو یا تو اس انتہا پر ہوتی ہے یا اس انتہا پر، یہ انسان کو پریشانیوں (anxiety) میں مبتلا کردیتی ہے۔ یہ روش کہ بے حد خوش یا انتہائی افسردہ (down in the dumps) ہونا بہت نقصان دہ ہے۔ جب جذبات میں اسراف ہوگا تو وقت کا اسراف بھی ضرور ہوگا۔

## خوشی غمی کے موقع پر وقت کا اسراف:

ہماری شادیاں دیکھ لیں کہ جس طرح سے یہ ہمارے دین، ایمان اور وقت کی آزمائش بنی ہوئی ہیں اللہ کی پناہ! اگر گھر میں شادی ہے پھر تو کوئی تصور نہیں کر سکتا کہ چھٹی نہ لی جائے اب سب چھٹی لیکر گھر میں بیٹھے رہیں گے، سارے دفتری کام معطل کردیے جائیں گے۔ خواہ دفتر میں کتنا اہم کام ہو، آپکی کتنی ضرورت ہو، لیکن نہیں! ہمارے گھر میں تو شادی ہے ہم تو دفتر آ ہی نہیں سکتے۔ یہ اسراف کا مظاہرہ ہے۔ گھر میں بیٹھ کر ایسا کیا کر رہے ہیں جو کہ آپ دفتری معمولات کے ساتھ نہیں کر سکتے۔ اگر ہم شادی کو سنت طریقہ تک محدود کریں تو سب کچھ چل سکتا ہے لیکن اگر ہم اس کو سنت سے ہٹا دینگے تو ہم ضرور اسراف کریں گے۔

اسراف کے مقابلے میں ہم سادگی اختیار کرنے کی بات کرتے ہیں لیکن ہم سادگی کی مکمل تعریف (definition) نہیں کر سکتے۔ کیونکہ امیر کی سادگی کا معیار الگ ہے اور غریب کا الگ، تو اگر ہم سنت کی بات کریں اور اس پر قائم رہیں تو سنت ہمیں اسراف سے بچا لیتی ہے اور زندگی معتدل راہ پر چلتی رہتی ہے، انسان اسراف کا شکار نہیں ہوتا۔

گھر میں شادی ہےتو خوشی ضرور منائیں مگر ساتھ ساتھ اپنے کام بھی نپٹائیں۔ یہ بالکل ممکن ہے، دونوں کام اکٹھے کیے جاسکتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ چھٹی لینا کوئی گناہ ہے یا یہ کوئی حرام کام ہے، کہنے کا مطلب یہ ہے کہ خوشی اور غم کے موقعوں پر ذمہ داریوں کو ٹالنا (suspend) نہیں چاہئے۔ معمول کے مطابق زندگی کو چلانے کی ضرورت ہے۔ اور اپنا وقت اس طرح سے ترتیب (manage) دیں کہ زندگی کے معاملات کا بھی حرج نہ ہو اور دفتری ذمہ داریاں بھی انجام پذیر ہو جائیں۔ ہمارے اسی طرزِ عمل کی وجہ سے ہمارے دفاتر میں کثرت سے ناغے اور چھٹیاں ہوتی ہیں اور کام کا حرج ہوتا رہتا ہے۔
اس کے علاوہ ہم گھر میں کام کرنے والیوں کی چھٹیوں سے پریشان ہوتے ہیں کہ ان کے گھر کوئی خوشی کا یا غم کا موقع آتا ہےتو گھر بیٹھ جاتی ہیں اور کتنا کام کا حرج ہو جاتا ہے۔ لیکن ہم بھی تو یہی کرتے ہیں! ہماری محافل رات رات بھر جمی رہتی ہیں، دو دو ہفتے مختلف پروگرام چل رہے ہوتے ہیں، مایوں ہے، مہندی ہے، دلہن کے گھر آنا جانا، دولہا کے گھر آنا جانا لگا رہتا ہے، اور اس وجہ سے دفتر کی چھٹیاں ہوتی ہیں۔ یہ وقت کا اسراف ہے، قوت (energies) کا اسراف ہے، مال و دولت کا اسراف ہے۔

### عام زندگی میں وقت کا اسراف:

عام زندگی میں بھی ہم وقت کا بہت اسراف کرتے ہیں۔ جو کام دس منٹ میں ہوسکتا ہے اس پر آدھا گھنٹہ صرف ہوتا ہے۔ بننے سنورنے (make up) میں، نہانے دھونے میں، بازاروں میں گھومنے پھرنے میں بہت سا وقت بلاضرورت ضائع ہوتا رہتا ہے، فون پر غیر ضروری باتیں کرنا، اِدھر اُدھر کی لغو باتیں کرنا، یہ تمام باتیں اسراف میں آتی ہیں۔ دراصل ہمیں اپنا کام مناسب وقت میں سمیٹنا نہیں آتا۔ وقت کی قدر کریں، دنیا میں ہم آخرت کمانے کیلئے آئے ہیں، تو ہمارے لیے وقت ہی سب سے بڑی متاع ہے۔ اگر آخرت کمانے کا تصور دماغ میں تازہ رہے گا تو وقت کی قدر آئیگی۔

ایک صورت ایسی ہے جس میں فون پر بات کرنا اسراف میں شامل نہیں ہوگا، خواہ ایک گھنٹہ ہی کیوں نہ ہو۔ اگر ماں باپ دور رہتے ہوں، یا دوسرے ملک میں مقیم ہوں تو پھر فون پر بات کرنی چاہئے۔ یہ ایک طرح سے والدین کا حق کسی درجے میں ادا کرنے کی کوشش ہے۔ اور یہ عبادت بھی ہے

کہ ماں باپ کا دل بہلایا جائے، اپنی مصروفیات میں سے اُن کے لیے وقت نکالا جائے لیکن یاد رکھیں عبادت میں پھر غیبت، جھوٹ، دل دکھانے والی طنزیہ گفتگو نہیں ہوتی۔

## اسراف کا تعیّن:

فقہاء کرام نے مقاصدِ شریعت کے تحت انسانی اعمال کی تین اقسام کی ہیں۔ سب سے پہلی ''الضروریات'' یعنی وہ امور جن پر دینی و دنیاوی بقا موقوف ہے۔ مثلاً دین کا تحفظ، جان کا تحفظ اور عقل کا تحفظ۔ اسی طرح ''الحاجیات'' میں ایسے امور شامل ہیں جو زندگی اور موت کا مسئلہ تو نہیں ہوتے لیکن ان کا تعلق تنگی و راحت، مشکل و آسانی سے ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر نماز کو قصر کرنا، کھانے پینے، رہن سہن میں اچھی چیزیں استعمال کرنا۔ یوں سمجھ لیجئے کہ ستر پوش لباس پہننا ضروریات میں سے ہے اور ایسا لباس جو کہ پورے بدن کو ڈھانپ لے، اچھا لباس ہو، یہ پہننا حاجیات میں سے ہے۔ تیسری قسم ''التحسینیات'' ہے، اس کو مروت کا تقاضہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ اعمال میں ''التحسینیات'' کے نہ ہونے کی وجہ سے کوئی حرج واقع نہیں ہوتا البتہ حُسن کا تقاضہ ہے کہ اس کو اختیار کیا جائے۔ مثلاً نماز میں زینت اختیار کرنا، نفیس لباس پہننا وغیرہ۔

اسراف کا تعیّن کرتے ہوئے یہ بات ذہن میں رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے محض ''الضروریات'' پر زندگی گزارنے کا نہیں کہا بلکہ ''الحاجیات'' اور ''التحسینیات'' کی رعایت بھی دی ہے۔ ہوسکتا ہے ہم کسی شے کو اسراف سمجھ رہے ہوں جبکہ اللہ کی نظر میں وہ شے نہ صرف جائز ہو بلکہ قابلِ تحسین بھی ہو۔

## پیسے میں اسراف:

اسراف کا ذکر سن کر سب سے پہلے جو خیال آتا ہے وہ مال و دولت اور پیسہ خرچ کرنے کے بارے میں آتا ہے۔ سب سے پہلے اس تصور کو ذہن سے نکال دیں کہ پیسہ خرچ کرنا اسراف ہے، پیسہ خرچ کرنا اپنی ذات میں اسراف نہیں ہے۔ اسی طرح ضرورت کے سوا خرچ کرنا بھی اسراف نہیں ہے، خواہشات پر خرچ کرنا بھی اپنی ذات میں حرام نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت دے کہ ہم اسراف کے بارے میں صحیح تصور قائم کرسکیں۔

پیسے میں اسراف یہ ہوگا کہ بلاوجہ، بلاضرورت یا زائد از ضرورت (extra) خرچ کرنا، جس کی کوئی ضرورت نہیں، چیزیں خریدتے چلے جانا، جمع کرتے جانا، نہ خود استعمال کرنا اور نہ دوسروں کو دینا مثال کے طور پر ایک گھرانہ ہے جس میں کُل چھ افراد ہیں۔ چار بچے ہیں ایک امّی اور ایک ابّا۔ ان کی ضرورت ہے کہ ان کے گھر میں چھ کمبل ہوں یا چھ رضائیاں ہوں۔ لیکن یہ لوگ بیس کمبل اور رضائیاں لا کر رکھ لیں تو یہ اسراف ہے۔ ایک اور مثال دیکھیں فرض کریں ایک اور گھرانہ بھی چھ افراد پر مشتمل ہے لیکن ان کے ہاں مہمان داری بہت ہوتی ہے، عزیزوں کا تانتا بندھا رہتا ہے تو مانگ تانگ کر بستر پورے کرنا اچھی بات نہیں۔ ایسی صورت میں چاہیئے کہ کچھ رضائیاں یا کمبل زائد از ضرورت بھی رکھ لیں جو بوقت ضرورت کام آجائیں۔ یہ اسراف نہیں ہے کیونکہ اللہ نے ان کو استطاعت بھی دی ہے اور ضرورت بھی ہے۔

اسراف دراصل یہ ہے کہ ایک دفعہ کپڑا پہنا یا ایک دفعہ جوتا پہنا اور پھر صندوق میں رکھ دیا، اور پھر مزید خریدنے چلے گئے، یہ درست نہیں، جائز نہیں، پسندیدہ نہیں۔ کسی چیز کی ضرورت ہے اور خرید بھی سکتے ہیں تو ضرور خریدیں۔ گاڑی ہو، گھر ہو، زیور ہو، کپڑا ہو کوئی بھی استعمال کی چیز ہو یہ سب خریدنا درست ہے۔

### خواہشات اور اسراف:

اب ہم آتے ہیں خواہشات کی طرف یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا خواہشات کو پورا کرنا اسراف ہے؟ اگر کسی چیز کو خریدنے کی خواہش دل میں جنم لیتی ہے اور اس کو خریدنے کی استطاعت ہے تو خرید لیں، اپنی خواہش پوری کر لیں لیکن ضائع نہ کریں۔

آپکے پاس پچھلے سال کے گرم سردیوں کے کپڑے پڑے ہیں لیکن بازار میں نئے پرنٹ (print) دیکھ کر خریدنے کو دل چاہا تو حسبِ استطاعت خرید لیں۔ پہلے والے کسی ضرورتمند (deserving person) کو دے دیں یہ اسراف نہیں۔ اسراف یہ ہے کہ ہر موسم کے کپڑے خریدنا لازم سمجھیں اور خرید خرید کر کپڑوں کا ڈھیر لگا دیں۔ لیکن نہ خود پہننے کی نوبت آئے اور نہ کسی کو

خیرات کریں۔اور یہ بھی اسراف میں شمار ہوگا کہ کسی ایسی چیز کی خواہش کریں جو خرید (afford) نہ سکیں،قرض لے کر یا حرام ذرائع سے کما کر خواہشات پوری کریں یہ اسراف ہے۔

یہاں ایک بات سمجھ لیں کہ خواہشات کے معاملے میں احوال وظروف سے پتہ چلے گا کہ اس میں اسراف ہورہا ہے یا نہیں،ہوسکتا ہے کسی صاحبِ استطاعت کیلئے ایک چیز اسراف نہ ہو جبکہ تھوڑی کم حیثیت کے لیے وہی چیز اسراف میں داخل ہو۔مثال کے طور پر ایک عورت کے خاوند کی آمدنی دس پندرہ ہزار ہے اور وہ پانچ ہزار کا جوڑا خریدنا چاہتی ہے یا کوئی سونے کی چیز خرید لیتی ہے تو یہ اسراف ہے۔لیکن کوئی ایسی عورت جس کے شوہر کی تنخواہ پانچ لاکھ ہے اور وہ پانچ ہزار کا جوڑا یا زیور خریدنا چاہے تو یہ اسراف نہیں۔لہٰذا کچھ معاملات میں اسراف کی تعریف (definition) امیر اور غریب کے لئے الگ الگ ہے۔

ابھی صرف اسراف کی بات ہورہی ہے ہوسکتا ہے کسی شخص کے لیے ایک چیز خریدنا جائز ہو لیکن وہ استعمال کرتے ہوئے دکھاوا اور نمائش کرنے لگے تو وہی جائز چیز اب باعثِ گناہ ہوجائیگی۔ راہبانہ طرزِ زندگی (monastic way of life) میں یہ تصور تھا کہ اچھی چیز اگر خرید سکتے ہو تب بھی مت خریدو۔ایسی سادگی اسلام میں یقیناً پسندیدہ ہے لیکن ہم ابھی حلال اور حرام کی بات کررہے ہیں، گناہ وثواب کی بات کررہے ہیں،حدود وقیود (border line) کی بات کررہے ہیں تو انسان کے خرچ کرنے میں کوئی حرج نہیں،اس پر کوئی گناہ نہیں ملے گا۔

نمود ونمائش اور اسراف:

جہاں تک دکھاوے اور نمائش کا تعلق ہے تو وہ سراسر گناہ ہے۔ایسا خرچ کرنا جس میں فضول خرچی کیساتھ دکھاوا بھی ہے۔ یا کفار اور مشرکین کے تہوار منانے پر خرچ کیا جارہا ہے۔ بے ثمر، بلاضرورت، بے محل یہ دراصل اللہ کی نافرمانی میں خرچ ہورہا ہے،ان کو عزت دی جارہی ہے جن کو اللہ نے عزت نہیں دی جو اللہ کے نافرمان ہیں۔ہم ان کے نقش قدم پر چل رہے ہیں جن کے طور طریقہ پر عمل کرنے سے،جن کی مشابہت اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ گناہ ہی کے زمرے

(category) میں چلا جائیگا اور اس طرح بلا ضرورت، دکھاوے اور نمائش کے لئے روپیہ پیسہ خرچ کرنا تو پھر تبذیر بن جاتا ہے اللہ تعالی نے فرمایا ہے:

﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ﴾ (بنی اسرائیل: ۲۷)

''ہرگز تبذیر مت کرنا تبذیر کرنے والے تو شیطان کے بھائی ہوتے ہیں۔''

## اسراف کی حدود اور اس سے بچنے کی تدبیر:

یہ جاننا ضروری ہے کہ کہاں اسراف کیا جار ہا ہے اور کہاں نہیں۔ چند ایک تو بالکل واضح نقاط (solid concrete) ہیں جو ہم خود جان سکتے ہیں اور محسوس کر سکتے ہیں اور دوسری چیز جو انسان کو اسراف سے روکتی ہے وہ اس کا تقویٰ ہے، اس کے اندر جو خوفِ خدا ہے، اسکا جو ضمیر ہے وہ اسے راہ دکھائے گا، بتائے گا کہ حد کہاں پر ہے، کس حد تک ضرورت ہے اور کتنی دنیا کی محبت ہے، کتنی دنیا سے بے رغبتی ہے۔ ہر شخص کا اس لئے انفرادی محاسبہ ہوگا۔ خود انسان سادگی سے رہے بہت اچھی بات ہے، اپنی خواہشات کو روکے (control) رکھے اور ضروریات پر کم سے کم خرچ کرے، خواہشات ختم کرنے کی کوشش کرے۔ مگر اس طرزِ عمل کو اپنے اعلیٰ ہونے کی دلیل نہ سمجھے اور نہ دوسروں کو تحقیر اور تنقید کے نظر سے دیکھے، دوسروں کی غیبت کرنا یا باتیں بنانے لگ جانا بھی نہایت ناپسندیدہ رویّہ ہے اور نیکیوں کو غارت کرنے کا باعث ہے۔

بعض لوگوں کو مہنگی چیزیں پسند ہوتی ہیں، طبیعت شاہانہ ہوتی ہے اور بعض سستی چیزیں خریدتے ہیں۔ اب ہمیں فیصلہ (judge) نہیں کرنا کہ کون اسراف کر رہا ہے اور کون میانہ روی پر ہے۔ یہ دراصل نیت پر شک کرنا ہے کہ فلاں دکھاوے اور نمائش کے لئے ایسا کرتے ہیں، کچھ لوگ مہنگی چیزیں اسلئے لیتے ہیں کہ یہ پائیدار ہوتی ہیں، جلدی خراب نہیں ہوتیں، اس وجہ سے مہنگی اشیاء لینا ٹھیک ہے۔ کچھ لوگ مہنگی چیزیں صرف منفرد ہونے کے لیے لیتے ہیں یہ غلط ہے۔ اپنے لئے سادگی اختیار کرنا یقیناً عزیمت کا راستہ ہے، انبیاء اور اولیاء کا راستہ ہے، اس میں کوئی شک نہیں۔ اگر اپنے لئے یہ معیار قائم کرلیا کہ کم سے کم پر گزارہ کرنا ہے تو بہت اچھی بات ہے لیکن اوروں کو اس طرز پر گھسیٹ گھسیٹ کر

لانا اور اپنے آپ کو معیار بنا کر پیش کرنا کہ میں کتنی اچھی یا کتنا اچھا ہوں اس کی بالکل ضرورت نہیں۔ خود کو اعلیٰ (superior) نہیں سمجھنا اور دوسروں کو ان کی طرزِ زندگی کی وجہ سے حقیر اور کمتر نہیں سمجھنا۔ بس انسان یہ سوچ لے کہ جتنا جمع کیا یا جتنا خرچ کیا ان سب کا حساب دینا ہوگا۔

## اسراف کے متعلق اصل تصور:

ایک چیز جو ہمارے ذہنوں میں بیٹھ چکی ہے وہ یہ ہے کہ کوئی بھی مہنگی چیز خریدنا اسراف ہے یہ تصور ہمارے معاشرے میں بہت عام ہے مگر یہ تصور درست نہیں۔

آپ کے پاس قیمتی کپڑے ہیں آپ اُن کو سستے صابن سے دھوئیں گی تو وہ خراب ہو جائیں گے، زیادہ عرصہ نہیں چل سکیں گے۔ اس لئے آپ تھوڑے زیادہ پیسے خرچ کر کے اچھا (quality) والا سرف استعمال کریں۔ اب اس کو اسراف کہہ دینا شدت پسندی ہے۔

فضول خرچی میں اور مہنگی چیز خریدنے میں فرق کرنے کی ضرورت ہے ہر مہنگی چیز خریدنا فضول خرچی نہیں ہوتی۔ بعض لوگ اسراف کی یہ تعریف (definition) کرتے ہیں کہ ضرورت کی چیز پر ضرورت سے زائد خرچ کرنا اسراف ہے اگر ضرورت کی چیز پر ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا اسراف ہوتا تو پھر اسلام میں خواہشات پوری کرنے کی گنجائش ہی نہیں ہوتی، ہم سے کہہ دیا جاتا کہ خالی ضروریات (needs) کی سطح (level) پر زندگی گزارو۔ ضروریاتِ زندگی کی حد تک چیزیں خریدو، خواہشات پر پیسہ خرچ کرنا گناہ قرار دیدیا جاتا۔ اگر اسلام یہ مزاج اختیار کرتا تو ہم رہبانیت کی طرف چل پڑتے۔ رہبانیت کا مزاج یہی ہے کہ اپنے نفس کی کسی خواہش کو پورا مت ہونے دو۔ خواہشات تو گناہوں کا پیش خیمہ ہوتی ہیں حالانکہ ایسی بات نہیں، انسان کے اندر اللہ نے کچھ فطری خواہشات رکھی ہیں انسان کی فطرت ہے کہ خوبصورت اچھی چیز حاصل کرنا چاہتا ہے، حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ نے خواہشات پوری کرنے کی گنجائش رکھی ہے۔

وہ خواہشات جو کہ شریعت کی حدود کو توڑ کر پوری کی جائیں اُن سے روکا گیا ہے یہ چیز اسراف اور تبذیر میں شمار ہوتی ہے۔

سونا پہننے میں اسراف یہ ہوگا کہ بہت سارا سونا خرید لیا مگر زکوٰۃ ادا نہ کی۔ آپ زکوٰۃ نہیں دے سکتے تو سونا کیوں خریدا؟ چاہے آپ کے پاس ہزار تولہ سونا ہے مگر آپ اُس کی زکوٰۃ باقاعدگی سے دیتے ہیں تو کوئی حرج نہیں۔ بس زکوٰۃ کا برابر حساب رکھیں، ہر سال زکوٰۃ ادا کرتے رہیں۔ تاکہ کل اللہ کے سامنے حاضر ہوں تو حساب دینا آسان ہو جائے۔ تو فتویٰ اور ہے تقویٰ اور ہے، فی الحال ہم فتوے کی بات کرر ہے ہیں۔ تقویٰ کی بات نہیں کرر ہے ہر انسان کے تقوے کا الگ معیار ہوتا ہے۔ جہاں تک فتوے کا تعلق ہے تو سونا خریدنے کی بھی اجازت ہے اور پہننے کی بھی اجازت ہے اور اللہ نے کوئی حد بھی نہیں بتائی کہ بس دو تولہ سونا خرید سکتے ہو اس سے زیادہ مت خریدنا۔ اسی طرح لباس ہماری ضرورت ہے، کسی طرح کا بھی لباس پہن کر یہ ضرورت پوری کی جاسکتی ہے تو اللہ نے ریشم کیوں بنایا؟ کیا ریشم پہننا گناہ ہے۔ ریشم وغیرہ ہمیشہ سے مہنگے کپڑے رہے ہیں، تو کیا اِن کو پہننا گناہ ہے؟ اگر ریشم پہننا اسراف ہوتا تو پھر تو یہ گناہ ہوتا۔ یہ سوچ دراصل اسلام کے مزاج کیخلاف ہے، راہبانہ طرزِ زندگی (monastic way of life) کی ایک شکل ہے جو کہ انسان کی خوشیوں کا گلہ گھوٹنے کا غیر فطری طریقہ ہے۔ جب زندگی میں اتنی شدت پسندی اختیار کی جاتی ہے تو زندگی میں خشکی آنے لگتی ہے، روکھا پن آنے لگتا ہے اور مزاجوں میں تلخی اور سختی آنے لگتی ہے۔ چھوٹی چھوٹی چیزیں جو اللہ نے انسانوں کے لئے بنائی ہیں اِن سے انسان وقتی طور پر ذرا خوش ہو جاتا ہے، طبیعت ہشاش بشاش ہو جاتی ہے، پھر عبادت میں مزید دل لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معیارات مختلف ہیں۔ سورۂ حجرات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِنَّ اَكْرَ مَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَا كُمْ ﴾ (۱۳)

''اللہ کے نزدیک سب سے باعزت وہ ہے تم میں سے جو سب سے زیادہ تقوے والا ہے۔''

اللہ نے یہ تو نہیں کہا کہ اللہ کی نظر میں سب سے بہتر اور اعلیٰ وہ ہے جو ہیرے جواہرات نہیں خریدتا یا ریشم نہیں پہنتا، حضرت سلیمان علیہ السلام بہترین لباس پہنتے تھے، تخت و تاج کے مالک تھے لیکن صاحبِ تقویٰ بھی تھے۔ اللہ کی نظر میں بھی بہت اعلیٰ تھے اس کے برعکس کوئی دین دشمن ہو سکتا ہے اچھا

لباس نہ پہنتا ہو، درویش صفت ہو لیکن اللہ کی نظر میں باعزت نہ ہو، تو معیار تو تقویٰ ہے۔ اب اگر سونا نہ خریدنے والی خاتون اپنے بارے میں عجب کا شکار ہو جائے، احساس برتری کا شکار ہو جائے کہ میں کتنی متقی ہوں کہ میں سونا خرید سکتی ہوں تب بھی نہیں خریدتی۔ اور یہ کیسی دنیادار عورت ہے قرآن پڑھتی ہے اور پھر بھی مہنگی مہنگی چیزیں خریدتی ہے تو اللہ کے نزدیک یہ عورت غلطی پر ہے۔ لوگوں کے اپنے اپنے مزاج ہوتے ہیں، کسی کو شوق ہوتا ہے کسی کو شوق نہیں ہوتا، حاصل کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے سونا اور ریشم مسلمان امت کے مردوں پر حرام کیا ہے خواتین پر حرام نہیں کیا وہ پہن سکتی ہیں۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ آتا ہے۔ جب وہ چھوٹے تھے تو ایک دفعہ گر گئے اور رونے لگے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اٹھایا، پیار کیا، کپڑے جھاڑے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے کپڑے جھاڑتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ اسامہ اگر تو بیٹی ہوتا تو ہم تجھے اچھے اچھے کپڑے پہناتے، زیور پہناتے۔ دیکھیں اس حدیث سے کتنی ہدایات نکلتی ہیں، مثلاً ایک یہ کہ بننا سنورنا عورتوں کی فطری خواہش ہے۔ اگر زیور گناہ کا کام ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہ کہتے کہ اسامہ اگر بیٹی ہوتا تو ہم اس کو زیور پہناتے۔

ہم متقی ہونے کا مطلب یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ متقی وہ ہے جو اپنی کسی بھی خواہش کو پورا نہیں کرتا اور جو زیادہ متقی ہے وہ نہ صرف اپنی خواہش پوری نہیں کرتا بلکہ کسی اور کی بھی خواہش پوری ہوتے نہیں دیکھ سکتا، اس پر فوراً اسراف کا فتویٰ لگا دیتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی کبھی کبھار خوب صورت لباس پہنا ہے، ایسا نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیمتی لباس پہننے کا بہت شوق تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے پہنا کہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ ایسا لباس پہننا اسراف نہیں ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ اکثر نیا جوڑا پہنتے تھے۔ تو کیا وہ معاذ اللہ مسرف تھے، کہا جاتا ہے کہ پہن کر اپنے کسی شاگرد کو دے دیا کرتے تھے۔ تو یہ اسراف نہیں ہے۔

یاد رکھئے اسراف یہ ہے کہ چیزوں کو لے لے کر جمع کرتے جانا، نہ خود استعمال کرنا اور نہ دوسروں کو استعمال کرنے دینا۔ ایک دفعہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آیا اور عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں میرا لباس بہت خوبصورت ہو، میرا جوتا بھی خوبصورت ہو، یہاں تک کہا کہ میرا کوڑا بھی خوبصورت

ہوتو کیا یہ تکبر ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

(( اَللّٰهُ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الجَمَالَ ))(۱)

''اللہ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند فرماتا ہے۔''

ہم کیسے کسی کو فتوی دے سکتے ہیں کہ سستی گاڑیوں میں بیٹھنے والے تو جنت میں جاسکتے ہیں لیکن مہنگی گاڑی چلانے والے جنت میں نہیں جائینگے۔ یہ باتیں اچھی طرح سمجھ لیں کہیں ایسا نہ ہو کہ کل ہم قرآن پڑھ کر نکلیں تو ہم انگلی اٹھا اٹھا کر ہر ایک پر تنقید (condemn) کریں کہ فلاں اسراف کرتا ہے، فلاں بھی اسراف کرتا ہے، جو یہ کرتا ہے وہ فضول خرچ ہے، جو فلاں گاڑی خریدتا ہے وہ تقوے سے عاری ہے وغیرہ وغیرہ۔ مثلاً ایک شخص مرسیڈیز استعمال کرتا ہے یا ذاتی جہاز کا مالک ہے تو کیا وہ جہنم میں جائیگا؟ ہاں مسئلہ تب پیدا ہوتا ہے جب دکھاوا کیا جائے، اِترایا جائے، اس سے بچنا چاہئے۔

دنیا میں ایسے متقی پرہیزگار، پابندِ صوم وصلوٰۃ ہیں۔ جنھیں اچھا کھانا پینا اور اچھا اوڑھنا پہننا اچھا لگتا ہے، ان کو اس بات سے مطلب نہیں ہوتا کہ انھیں کوئی دیکھ رہا ہے یا کوئی نہیں دیکھ رہا۔ اللہ نے ان کو اپنی نعمتوں سے نوازا ہے تو ان نعمتوں کا اظہار نقصان دہ نہیں ہے۔ اس سے ان کی پرہیزگاری متاثر نہیں ہوتی۔

اب ایک ایک چیز کو ہم ناپنے تولنے بیٹھ جائیں گے تو زندگی اسی جہاد میں گذر جائیگی، اپنے آپ سے کشتیاں لڑتے رہینگے۔ خواہشات کو پورا کرنے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ خواہشات دل ودماغ سے اُتر جاتی ہیں، مثلاً بازار گئے، ایک کپڑا دیکھا، اتنا پیارا لگا کہ حواسوں پر چھا گیا، نماز پڑھ رہے ہیں تو یاد آرہا ہے، قرآن پڑھنے بیٹھے ہیں تو وہی ذہن میں چل رہا ہے۔ اس سے بہتر ہے کہ اُس کو خرید لیں تاکہ آپکے حواسوں سے اتر جائے۔ جب ایک چیز انسان کے پاس آجاتی ہے اس کی وقعت ختم ہوجاتی ہے (Get it out of your system)۔ جب اللہ نے اجازت دی ہے تو کیوں اپنے آپ کو

(۱) مسلم، کتاب المقدمات...

مشقت میں ڈالیں۔اصل میدان لڑائی کا یہ ہے کہ اپنے نفس کو صغیرہ کبیرہ گناہوں سے روکا جائے۔

## کھانے میں اسراف:

اگلی چیز ہے کھانے میں اسراف۔غور کریں اللہ تعالی نے کیا کچھ نعمتیں ہمارے کھانے کے لئے بنائی ہیں،اس میں ساگ ترکاری بھی ہیں جانوروں کا گوشت بھی ہے، اللہ کے دسترخوان میں خشک میوے (dry fruit) بھی ہیں، سستے سے لیکر مہنگے تک سب شامل ہیں، بادام، پستے، چلغوزے یا کاجو جو بہت مہنگے ہیں اور مونگ پھلی وغیرہ جو کہ سستی ہیں، یہ تمام چیزیں اللہ کی نعمتیں ہیں۔اسراف یہ ہے کہ آپ کوئی چیز خرید کر گھر لائے۔سب نے کھائی، مہمانوں کو بھی دیں مگر گھر کے خادمین کو کھانا نصیب نہ ہو، اُن کو ہاتھ لگانے کی قطعاً اجازت نہ ہو۔یہ زیادتی ہے وہ بھی انسان ہیں، اُن کا بھی دل چاہتا ہے، ان کو بھی اپنے ساتھ کھلایا کریں۔

اگر اللہ نے استطاعت دی ہے تو مہنگے سے مہنگا میوہ کھائیں مگر گھر میں سب کے ساتھ مل کر کھائیں۔نوکروں اور ملازموں کا بھی حصہ نکالیں۔کھانے میں اسراف کا تعلق مہنگے یا سستا ہونے سے نہیں ہے۔اصل اسراف یہ ہے کہ کھانے کو زندگی کا مقصد (live to eat) ہی بنالیا جائے۔یہ کھانے کے اندر اسراف ہے کہ ہر وقت کھانے کے متعلق ہی منصوبہ بندی ہو، کیا کھائیں اور کہاں کھائیں یہی زندگی کی فکر بن جائے۔

کھانا اتنا کھائیں کہ جس سے صحت اچھی رہے، اللہ کے نام سے شروع کریں اور اللہ کی خاطر ہی کھائیں تا کہ تندرست و توانا رہیں۔اور کھانا کھانے کے بعد اللہ کا شکر ادا کریں۔اس کے برخلاف اتنا کھانا کہ بیماریاں جنم لیں، سستی اور کاہلی پیدا ہو جائے تو یہ اسراف ہوگا۔صد افسوس کہ آج دنیا کھانے کے اسراف کا شکار ہوگئی ہے۔امیر ممالک میں اتنا زیادہ کھاتے ہیں کہ کھانا بجائے نعمت کے زحمت (problem) بن گیا ہے۔بسوں اور جہازوں کی (seat) میں سما نہیں پاتے، ہسپتالوں میں خصوصی (special) بستر بنانے پڑتے ہیں، یہ سب اسراف کی وجہ سے ہے۔اس کو بسیار خوری (glutony) کہا جاتا ہے۔عیسائیت میں بسیار خوری کو سات مہلک گناہوں (seven deadly

(sins) میں شمار کیا جاتا تھا۔ تو کم کھانے کی عادت ڈالیں، بے تحاشا کھانے سے پرہیز کریں، اس سے وضو برقرار نہیں رہتا، نمازیں قضا ہوتی ہیں، سستی آتی ہے، بیماریاں جنم لیتی ہیں۔ یہ ہے کھانے میں اسراف اور یہ چیز گناہ میں شامل ہوتی ہے۔ پھر کھانے میں اسراف یہ بھی ہے کہ حلال اور حرام کی تمیز نہ کی جائے۔ باہر ملکوں میں جانے والے بغیر تحقیق کے وہاں کی تیار شدہ غذائیں برگر، کیک اور دیگر اشیاء (hotel foods) کھاتے ہیں جو حرام بھی ہوسکتی ہیں۔ ذبح ٹھیک نہیں ہوتا، سور کی چربی اور گوشت شامل ہوتے ہیں، کیک اور پیسٹری میں شراب (brandy) وغیرہ کا استعمال عام ہے اور مسلمان وہاں جا کر بڑے آرام سے یہ سب کھا لیتے ہیں یہ اسراف ہے اور گناہ میں شامل ہے۔

﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا﴾ (الاعراف: ۳۱)

''کھاؤ پیو مگر اسراف مت کرو۔''

حلال حرام کا بہت خیال رکھیں، پھر گھر میں آٹھ دس قسم کے پکوان تیار کروانا کہ لوگ متاثر ہوں گے، میری واہ واہ ہوجائیگی، یہ سراسر اسراف ہے یہ حد سے گزرنے والی بات ہے۔ کھانے کو ضائع کرنا، چیزیں سڑ رہی ہیں لیکن کسی کو نہ دینا، پکا ہوا کھانا کچرے میں پھینک دینا۔ یہ بھی اسراف ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے تو یہاں تک فرمایا کہ تم میں سے اگر کسی کا نوالہ زمین پر گر جائے تو اسے اٹھا کر، جھاڑ کر کھالو۔

بسکٹ یا کوئی اور خشک چیز فرش پر گر جائے تو اٹھا کر صاف کر کے کھالینی چاہئے۔ ہمارے یہاں اس کو تہذیب کے خلاف سمجھا جاتا ہے کہ زمین پر گری ہوئی چیز تو ہم کھا ہی نہیں سکتے، یہ تو بدتمیزی ہے، لوگ کیا سوچیں گے کتنے گنوار (uncivilized) لوگ ہیں۔ حالانکہ یہ عین سنت ہے۔ ایک اور چیز جو ہمارے ہاں تہذیب کی نشانی سمجھی جاتی ہے وہ یہ کہ گلاس میں تھوڑا سا شربت چھوڑ دیا جائے، پلیٹ میں تھوڑا سا سالن چھوڑ دیا جائے، اس کو بعض لوگ قابل تعریف سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ اسراف ہے۔ پلیٹ میں اتنا سالن لیں جو ختم کرسکیں۔ شادی بیاہ میں، دعوتوں میں بہت سارا کھانا پلیٹوں میں چھوڑ دیا جاتا ہے جو پھر کچرے خانے میں پھینک دیا جاتا ہے، یہ اسراف ہے۔ بچوں کو بچپن ہی سے یہ تربیت دیں اور

عادت ڈالیں کہ پلیٹ صاف کرنی ہے، کھانا ضائع کرنا گناہ ہے۔

## قدرتی وسائل میں اسراف:

قدرتی وسائل میں اسراف یا ناقدری کوئی نئی بات نہیں کہ لوگوں کو شعور (awareness) دلایا جائے کہ قدرتی وسائل کا ضیاع غلط چیز ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے تقریباً چودہ سو سال پہلے ہمیں اس کے بارے میں احتیاط کی تلقین فرمادی تھا۔ آپ ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا جو پانی کے (کسی کنویں چشمے یا ندی کے ) کنارے بیٹھا وضو کر رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس میں اسراف نہ کرو تو اس نے عرض کیا اس میں بھی اسراف ہوسکتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں ! دریا کے کنارے بھی وضو میں اتنا ہی پانی استعمال کرنا چاہیے جتنی کہ ضرورت ہو۔

لیکن آج ہم وضو کرتے ہوئے پورا نل کھول دیتے ہیں۔ جب تک ہاتھ پر صابن لگایا، ملا، رگڑا تب تک پانی بہتا چلا جارہا ہے، تین دفعہ کلی کی تو پانی بہہ رہا ہے، ناک صاف کرنے میں، مسح کرنے میں کتنا پانی ضائع کیا؟ پہلے تو وضو برتن میں پانی لیکر کیا جاتا تھا ایک ہاتھ سے پانی لیتے اس سے کلی کرتے، ناک صاف کرتے تو پانی ضائع نہیں ہوتا تھا۔ تھوڑے پانی میں پورا وضو مکمل ہو جاتا تھا۔ چنانچہ حتیٰ الامکان کوشش کریں کہ نل بند کر دیا کریں۔ تھوڑا پانی استعمال کریں خواہ وضو کرنے میں ایک دو منٹ زیادہ لگ جائیں، کوئی بات نہیں! مگر اسراف نہیں ہونا چاہیئے۔ نہانے میں بھی بے تحاشا پانی بہانا، شاور (shower) کے نیچے کھڑے رہنا بھی اسراف ہے۔ پانی اللہ تعالیٰ کی بہت قیمتی نعمت ہے، اس کو بہت احتیاط اور بقدرِ ضرورت استعمال کرنا چاہیئے۔ پانی کے بے جا استعمال کی وجہ سے آج کل پوری دنیا میں صاف پانی کی کمی ہے۔ اس کا بھی اللہ کے ہاں حساب ہوگا تو مسلمان کو طبعی ماحول کے بارے میں بہت محتاط (environmentally aware) ہونا چاہیئے۔

اسی طرح بجلی بھی ایک کام کی چیز ہے، اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ اس کے استعمال میں احتیاط کرنی چاہیئے، جس کمرے میں ہوں اُس کی بتی اور پنکھا وغیرہ کھول لیں اور کمرے سے نکلتے وقت پنکھا اور بتی بند کر دیں۔

اِسی طرح گیس (gas) کتنی قیمتی نعمت ہے، یہ بھی ہمارے گھروں میں بے تحاشا ضائع ہوتی ہے۔گیس احتیاط سے استعمال کریں، کھانا پکانے کے بعد چولہا بند کردیں۔اس کے علاوہ مین سوئچ بھی بند کردینا چاہیے کیونکہ بعض دفعہ گیس نکل (leak) رہی ہوتی ہے۔

عبادت سمجھ کر پانی ،گیس اور بجلی بچایئے۔کہیں اللہ کی نعمتیں ضائع نہ ہوں، ناشکری اور ناقدری نہ ہونے پائے۔ یہ کنجوسی نہیں ہے یہ میانہ روی ہے۔بجلی کا بٹن بند (switch off) کرنا بھی عبادت ہے۔سردیوں میں کمرے سے نکل کر (gas heater) بند کرنا بھی عین عبادت ہے۔

یہ سب کچھ پڑھنے بعد ایک احساس ہوتا ہے کہ ہم نے اپنی زندگیوں میں بہت اسراف کیا ہے۔تو اب کیا کریں؟ سورۃ الزمر کی آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ (۵۳)

''اے میرے وہ بندو! جو اپنی جانوں پر اسراف کر بیٹھے ہو تم اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہونا۔اللہ سارے گناہ بخش دیگا وہ تو ہے ہی غفور اور رحیم، رحم فرمانے والا۔''

شروع میں ہم نے بات کی تھی کہ ہم نے عادتوں پر ہی کام کرنا ہے۔اچھا اخلاق کیا ہے؟ عادتوں کا درست ہوجانا اگر ہمیں اسراف کی عادت ہوگئی ہے تو اس عادت کو ختم کرنے کی ضرورت ہے۔یہی عمل صالح ہے، قرآن میں ایمان کے ساتھ جو عمل صالح لازم وملزوم کی طرح آتا ہے۔یہ الفاظ ہمیشہ اکھٹے آتے ہیں تو ہم ایک لحاظ سے ان کا ترجمہ یوں بھی کرسکتے ہیں کہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کی عادتیں اچھی ہیں۔نماز بھی عادت ہے، روزہ بھی عادت ہے، جو بھی ہم کام کرتے ہیں وہ عادت ہی تو بن جاتی ہے تو اگر ہم نے اپنی عادتیں اچھی کرلیں تو ہم نے عمل صالح کرلیا۔آخر میں اللہ سے دعا ہے کہ اے اللہ تعالیٰ ہماری عادت بن جائے کہ ہم اسراف نہ کریں۔ہمیں اچھے کاموں میں پیسے خرچ کرنے چاہئیں، دین کے کاموں میں اگر بہت زیادہ بھی خرچ کردیا تو یہ نیکی ہوگی، اس کا بہت اجر ملے گا اور اگر گناہ کے کاموں میں ایک پیسہ بھی لگایا تو وہ اسراف ہے اور اسراف گناہ ہے۔

# بخل

بخل کے معنی ہیں ہاتھ بند کر کے رکھنا (tight fisted) اور کنجوسی (miserliness) دکھانا۔ بخل کی مذمّت کا ذکر ہمیں قرآن واحادیث میں ملتا ہے:

سورۂ آلِ عمران آیت ۱۸۰ میں ارشاد ہوا:

﴿ وَلاَ يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴾

''جولوگ اُس مال میں جو اللہ نے اپنے فضل سے ان کو عطا فرمایا ہے بخل کرتے ہیں وہ اِس بخل کو اپنے حق میں اچھا نہ سمجھیں۔ بلکہ یہ ان کے لئے بُرا ہے وہ جس مال میں بخل کرتے ہیں، قیامت کے دن اس کا طوق بنا کر ان کی گردنوں میں ڈالا جائیگا۔ اور آسمانوں اور زمین کا وارث اللہ ہی ہے اور جو تم عمل کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔''

سورۃ النساء آیت ۳۷ میں آتا ہے:

﴿الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا﴾ (النساء : ۳۷)

''جولوگ خود بخل کرتے ہیں اور دیگر انسانوں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں اور جو کچھ اللہ نے ان کو اپنے فضل سے عطا کیا ہے، اس کو چھپاتے ہیں۔ تو تیار کیا ہے ہم نے ایسے ناشکروں اور کافروں کے لئے اہانت آمیز عذاب، رسوا کن عذاب۔''

اسی طرح سورۂ محمد میں فرمایا:

﴿هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ﴾ (محمد:۳۸)

''دیکھوتم وہ لوگ ہو جب اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو بلائے جاتے ہو تو تم میں ایسے شخص بھی ہیں جو بخل کرنے لگتے ہیں اور جو بخل کرتا ہے وہ اپنے آپ سے بخل کرتا ہے۔''

اسی بخیلی اور کنجوسی کی تصویر ''سورۃ ھمزہ'' میں کھینچی گئی ہے کہ جو شخص مال جمع کرتا ہے اور گن گن کر رکھتا ہے، اس کا کیا حال ہوگا۔

﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ (۱) الَّذِىْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ﴾

''بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کی جو عیب ٹٹولنے والا غیبت کرنے والا ہو۔ جو مال جوڑتا اور اس کو گن گن کر رکھتا ہے۔''

ترمذی کی ایک حدیث جو کہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اُس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((السَّخِيُّ قَرِيبٌ مِنْ اللَّهِ قَرِيبٌ مِنْ الْجَنَّةِ قَرِيبٌ مِنْ النَّاسِ بَعِيدٌ مِنْ النَّارِ وَالْبَخِيلُ بَعِيدٌ مِنْ اللَّهِ بَعِيدٌ مِنْ الْجَنَّةِ بَعِيدٌ مِنْ النَّاسِ قَرِيبٌ مِنْ النَّارِ))(۱)

''سخی شخص اللہ کے قریب ہوتا ہے، جنت کے قریب ہوتا ہے اور لوگوں سے بھی قریب ہوتا ہے جبکہ آگ سے دور ہوتا ہے اور بخیل اللہ سے، جنت سے اور لوگوں سے دور ہوتا ہے اور آگ سے قریب ہوتا ہے۔''

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے ایک اور حدیث مروی ہے کہ:

(( لَا يَجْتَمِعُ الشُّحُّ وَالْإِيمَانُ فِي جَوْفِ رَجُلٍ مُسْلِمٍ))(۲)

''بخل اور ایمان کسی انسان کے دل میں اکٹھے نہیں ہو سکتے۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ لوگوں سے پوچھا بتاؤ تمہارا سردار کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ فلاں ہمارا سردار ہے، وہ بہت اچھا آدمی ہے لیکن بخیل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بخیل شخص سیّد نہیں

---

(۱) ترمذی، کتاب البر و الصلة، باب ماجاء فی السخاء

(۲) مسند احمد، مسند المکثرین، مسند ابی هريرة

ہوسکتا، یعنی سردار نہیں ہوسکتا۔

ترمذی کی ایک اور حدیث جس کے راوی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، اُس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ خِبٌّ وَلَا مَنَّانٌ وَلَا بَخِيلٌ))(۱)

''نہیں داخل ہوگا جنت میں دھوکا دینے والا، کنجوس اور احسان جتانے والا''

ان نصوصِ قرآن اور احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ اللہ کے نزدیک بخل یا کنجوسی انتہائی مذموم شے ہے یہاں تک کہ بتا دیا گیا کہ کنجوس انسان جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ یقیناً یہ ایسی برائی ہے جس سے مکمل نجات حاصل کرنے کی کوشش کرنی ہے اور اپنا تزکیہ کرنا ہے۔

جو انسان شریعت کے مطابق بخیل قرار پا جائے اس کے بارے میں تو یہ احادیث اور آیات ہم نے پڑھ لیں کہ وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا لیکن یہ بخل کا انتہائی درجہ ہے جبکہ اس سے کمتر درجے میں بھی بخل کیا جاسکتا ہے۔ ہوسکتا ہے ایسے بخل کے نتیجے میں ہم جہنم میں تو نہ جائیں لیکن کچھ نہ کچھ ضرر بہرحال پہنچے گا، مثلاً بخیل شخص کے باہمی تعلقات خوشگوار نہیں رہ پائیں گے۔ اُس کی شخصیت مسخ ہو جائے گی، احسان کا درجہ حاصل نہیں ہو پائے گا۔ اور اگر بخل سے نجات پالی جائے تو دنیا کے فائدے بھی ملیں گے اور آخرت میں بھی بچا لیے جائیں گے۔

## بخل کا دائرہ:

اب ہم یہ دیکھنے کی کوشش کرینگے کہ بخیلی کس کس طرح کی ہوسکتی ہے۔ بخل کی کچھ صورتیں تو واضح گناہ میں شامل ہیں یعنی ایسا بخل جسے شریعت بخل کہہ دے تو وہ باعثِ وبال ہے۔ چنانچہ یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ بخل کیا ہوتا ہے، جس پر جہنم کی وعید آئی ہے۔ مثال کے طور پر اللہ نے کسی کو مال سے نوازا اور وہ اسکی زکوٰۃ ادا نہ کرے یا کم ادا کرے یہ شریعت کی نظر میں بخل ہے، بخل کی یہ صورت ہے ہی پیسے والوں سے متعلق، مال دینے سے ہاتھ روکنا دراصل مالداروں کا مرض ہے۔

---

(۱) ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی البخیل...

## مال میں بخل:

جن کے پاس مال کی کثرت ہوتی ہے اُن کو بخل لاحق ہوسکتا ہے یعنی اللہ نے بہت کچھ دے رکھا ہے مگر اُس کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے، مٹھی بند رکھتے ہیں۔ زمینیں ہیں، فیکٹریاں ہیں، تجارت و کاروبار ہے، دھن دولت برس رہی ہے مگر زکوۃ نہیں نکالتے، اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، ضرورتمندوں کو نہیں دیتے، صدقہ خیرات نہیں کرتے۔ اسی کے بارے میں سورۂ ال عمران میں ارشاد ہوا کہ یہ تمام مال و اسباب آخرت میں طوق بنا کر گلے میں ڈالا جائے گا یا پھر سانپ بن کر ڈسے گا۔ اور حدیث شریف میں بیان ہوا:

((مَنْ آتَاهُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ مَالًا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهُ مُثِّلَ لَهُ مَالُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا أَقْرَعَ لَهُ زَبِيبَتَانِ يَأْخُذُ بِلِهْزِمَتَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُولُ أَنَا مَالُكَ أَنَا كَنْزُكَ)) (۱)

''جو شخص اپنی زکوۃ ادا نہیں کرتا اسکا سارا مال قیامت کے روز اس کے گلے میں سانپ بنا کر ڈالا جائیگا۔ جو اُس کی باچھوں کو ڈسے گا اور کہے گا میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔''

اور اگر نصاب کے مطابق زکوۃ ادا کر دی گئی ہے اور شریعت کے عائد کردہ حقوق بھی ادا کر دیئے ہیں اور پورے پورے ادا کئے ہیں، یعنی صدقات اور خیرات وغیرہ۔ تو سارا مال حلال ہے اور اس کے تصرف کی اجازت ہے۔

## کفالت میں بخل:

دوسری چیز یہ کہ اگر آدمی اپنے زیرِ کفالت افراد پر خرچ نہ کرے تو یہ بخل ہے۔ بیوی بچوں پر، ماں باپ پر، بہن بھائیوں پر، قرابت داروں پر۔ خرچ کرنے کی استطاعت کے باوجود ان پر خرچ نہیں کرتا یا اگر کرتا بھی ہے تو اپنی حیثیت سے بہت کم خرچ کرتا ہے یہ دونوں صورتیں بخل میں شمار ہوتی ہیں۔ خاص طور پر بیٹے پر لازم ہے کہ والدین کی ضروریات کا خاص خیال رکھے، اُن پر کھلے دل سے خرچ

(۱) سنن النسائی، کتاب الزکاۃ، باب مانع الزکاۃ مالہ

کرے۔کیونکہ اگر کوئی بیٹا اپنے والدین پر خرچ نہیں کرتا لیکن ساری دنیا کے رفاہِ عامہّ کے اداروں(philanthropist organization) کو پیسہ دیتا ہے تو پھر بھی وہ بخیل ہے۔اسی طرح کوئی شخص بیوی کو نان نفقہ نہیں دیتا،کنجوسی کرتا ہے،ہاتھ کھینچ کر رکھتا ہے یا علاج معالجے پر خرچ نہیں کرتا یا اولاد کی تعلیم پر خرچ نہیں کرتا لیکن دنیا کے دکھانے کے لیے غریبوں میں آٹے کی بوریاں بانٹتا ہے تو پھر بھی وہ بخیل ہے۔یہ سب باتیں بخل کی نشانیاں ہیں اور گناہ میں شمار ہوتی ہیں۔

## عبادات میں بخل:

عبادات میں بخل کا مطلب یہ ہے کہ ہم عبادات نہ کریں اور اگر کریں بھی تو پوری طرح سے نہ کریں۔مثلاً نماز نہ پڑھیں یا کم پڑھیں،استطاعت ہونے کے باوجود حج نہ کریں۔پیسہ ہے،صحت ہے،جا بھی سکتے ہیں لیکن پھر بھی حج سے غافل ہیں یہ بھی بخل ہے،صاحبِ ثروت ہونے کے باوجود اللہ کی نعمتوں کو اُس کی راہ میں نہ لگانا،سب بچا بچا کر اپنے لئے رکھ لینا بھی بخل ہے جس کا ذکر سورۂ محمد کی آیت ۳۸ میں ہے:

﴿هَـٰٓأَنتُمْ هَـٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنفِقُوا۟ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ فَمِنكُم مَّن يَبْخَلُ﴾

''تم وہی ہو کہ جب پکارا جاتا ہے کہ آؤ اللہ کی راہ میں خرچ کرو تو تم میں سے ایسا بھی ہے کہ بخل کرتا ہے۔''

تو اِس طرح جو شریعت کے مطابق بخل کرے گا اس کے لئے سخت وعید آئی ہے۔

اب آگے ہم بخل کی دیگر صورتیں دیکھیں گے جن کے ارتکاب سے ضروری نہیں کہ انسان جہنم واصل ہو جائے لیکن اگر وہ ان چیزوں میں بخل کریگا تو پھر وہ درجۂ احسان نہیں پا سکے گا،اس کی شخصیت نکھر نہیں سکے گی۔دراصل بخل کا کسی بھی صورت میں ہونا شخصیت پر منفی (negative) اثر چھوڑتا ہے،شخصیت جامع اور خوبصورت نہیں بن پاتی۔لہٰذا ہمیں بخل کی ہر صورت سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کرنی ہے۔

## مروت میں بخل:

مروت کے لئے انگریزی میں (chivalry) کا لفظ شاید استعمال ہوسکتا ہے۔ اردو میں مروت کے معنی رواداری کے ہوتے ہیں یا کسی کا لحاظ رکھنا۔ مروت کے مادے سے ہی لفظ ''اِمْرَءٌ'' (مرد) اور ''اِمْرَأَةٌ'' (عورت) ہیں۔ قرآن میں بھی اس مادے سے یہ الفاظ آتے ہیں۔ یہ مروّت انسان کی فطرت میں شامل ہے۔ لاطینی (Latin) زبان میں (vir) کا مطلب ہوتا ہے مرد، (virility) مردانگی۔ انگریزی میں انسان کا نیک سیرت (virtuous nature) ہونا بھی اسی مادے (route) سے ہے یعنی یہ انسانیت کا تقاضا ہے کہ آدمی مروّت سے کام لے، دوسروں کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔

مروّت میں بخل کیا ہوتا ہے؟ وہ یہ کہ گنجائش ہوتے ہوئے بھی لوگوں کے ساتھ تنگی کرے۔ مثال کے طور پر کسی کو قرض دیا لیکن مقروض مقررہ وقت پر پیسے واپس نہیں کر پا رہا اور قرض دینے والا مہلت دے سکتا ہے اور اس کو کوئی فوری (immediate) ضرورت بھی نہیں ہے یا کچھ دن مزید صبر کر سکتا ہے مگر پھر بھی سختی کرتا ہے تو یہ مروت میں بخل ہے۔ ایسے موقع پر بندۂ مومن کو رواداری (chivalrous attitude) کا مظاہرہ کرنا چاہیے تھا، یہ مروت کا تقاضا ہے اور ایسا نہ کرنا مروت میں بخل شمار ہوگا۔ حدیث میں ایک واقعہ نقل ہوا ہے۔ ایک مال دار آدمی تھا جو لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا اور اُس نے اپنے کارندے سے کہہ رکھا تھا کہ اگر مقروض کے پاس ادا کرنے کو کچھ نہ ہو تو اس کو مہلت دے دینا۔ جب یہ شخص مرا تو اللہ تعالیٰ نے اِس بات پر اس کو معاف فرما دیا اور جہنم سے آزاد کر دیا۔ اس واقعہ سے کیا سبق ملا کہ اپنا حق وصول کرنے میں بندہ سختی نہ کرے اور دوسروں کا حق دینے میں محتاط رہے، وقت پر ادا کرے بلکہ حق واجب ہونے پر حق سے زیادہ ہی دے اور اپنا حق لینے میں ذرا مروّت سے کام لے۔ اگر دیکھا جائے تو یہ شریعت کے لحاظ سے بھی بخل ہے کہ دوسروں کا حق مار لیا جائے اور اپنے حق کی وصولی میں سختی کی جائے۔

اپنے ملازمین کے ساتھ بھی مروت کا برتاؤ کرنا چاہئے۔ اُن کی معمولی کوتاہیوں کی وجہ سے

تنخواہ کاٹنا، بروقت پیسے نہ دینا یا کم تنخواہ طے کرنا صحیح طرزِ عمل نہیں ہے۔ غریب آدمی جس کے زیرِ کفالت کئی افراد ہوں اس کے لئے ایک دن بھی تنخواہ دیر سے ملنا پریشانی کا سبب بن سکتی ہے۔ لیکن ہمارے معاشرے میں نوکروں سے زیادتی قابلِ تحسین سمجھی جاتی ہے، بڑی خوبی سمجھی جاتی ہے، با قاعدہ فخر سے بتایا جاتا ہے کہ ہمارا نوکر تو صفائی بھی کرتا ہے، کھانا بھی پکاتا ہے، رات کو چوکیداری بھی کرتا ہے، وقت پڑنے پر گاڑی بھی چلا لیتا ہے، سودا سلف بھی لا کر دے دیتا ہے اور میں صرف تین ہزار روپے تنخواہ دیتی ہوں۔ اور لوگ جواباً کہتے ہیں آپ کتنی خوش قسمت ہیں! (how lucky you are!) ہمارا ملازم تو صرف کچن سنبھالتا ہے اور پانچ ہزار روپے لیتا ہے۔ پھر کوئی کہتا ہے لو بیوقوف ہو، ریٹ (rate) خراب کرتے ہو۔ اور بہت داد دی جاتی ہے، عقلمند سمجھا جاتا ہے اُن کو جو اِس طرح نوکروں سے بہت سارا کام لے سکیں اور حقیر سی تنخواہ دیں۔ اس کو کہتے ہیں کتنا کفایت شعار ہے، اور اُس کے بخل کو سراہتے (appreciate) ہیں۔ اگر کوئی شخص دس بارہ گھنٹے کام کرتا ہے تو اُسکو اُسکی محنت اور وقت کے مطابق اُجرت دینی چاہیے۔ یہ امر باعثِ شرمندگی ہے کہ ہم اپنے ماتحت سے زیادہ کام لیں اور معاوضہ تھوڑا دیں۔ اِس پر فخر کرنا، ایسی حرکت کو تمغۂ عزت (badge of honour) سمجھنا اور عقلمندی کی دلیل سمجھنا یقیناً غلط روش ہے اور یہ بخل بھی ہے۔ جتنا کام لیں اتنا معاوضہ ادا کریں، ریٹ خراب ہونے کی فکر نہ کریں، اللہ نے دیا ہے تو اللہ ہی کا سمجھ کر خرچ بھی کریں۔

بعض لوگ اتوار بازار جا کر سینکڑوں بلکہ ہزاروں روپے کی خریداری کرتے ہیں اور وہاں مزدوروں سے ٹوکریاں اور سامان اُٹھواتے ہیں جو وزن اٹھا کر اُن کے پیچھے پیچھے گھومتا رہتا ہے، گھنٹوں آپ کے ساتھ رہتا ہے۔ آخر میں اُسے پانچ یا دس روپے پکڑا دیتے ہیں۔ یہ سراسر بخل ہے جہاں آپ نے دو تین ہزار کی شاپنگ کی اور بیچارے مزدور کا ایک گھنٹہ بھی لے لیا تو پچاس سو روپے دینے میں کیا حرج ہے، نیکی بھی ملے گی، وہ دعا بھی دے گا اور اللہ بھی راضی ہوگا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اس بخل پر ہم کفایت شعاری کا لیبل لگا دیتے ہیں اور ساری بچت ہم ایک غریب کو پورا معاوضہ نہ دے کر کرتے ہیں۔

آپ یہاں کے ریٹ (rate) خراب ہونے کی فکر مت کریں۔ اپنے اس نامۂ اعمال کی فکر

کریں جو مسلسل سیاہ ہورہا ہے اور قیامت میں جس کا سامنا ہوگا۔ اور اگر اُس میں نیکیاں ہلکی ہوگئیں تو سوچیں کتنا بڑا نقصان ہو جائیگا، دنیا میں تھوڑا سا زیادہ دے کر آپ کو اتنا نقصان نہیں ہوگا۔ یہ بھی سوچیں کہ آپ کپڑوں پر جوتوں پر فاسٹ فوڈ اور بچوں کے کھلونوں پر بے تحاشا خرچ کر ڈالتے ہیں لیکن کسی غریب کو دینے میں ساری کفایت شعاری یاد آجاتی ہے۔ یقین رکھیں آپ کے مال میں سو دو سو روپے خرچ کرنے سے کوئی کمی نہیں ہوگی۔ کسی مزدور کو دس، بیس روپے زیادہ دیکر آج تک کوئی غریب نہیں ہوا۔

بعض لوگوں کی ذہنیت یہ ہوتی ہے کہ زکوٰۃ نکالتے نہیں گھبراتے، صدقہ خیرات کرنے سے نہیں گھبراتے لیکن تنخواہیں دیتے ہوئے جان جاتی ہے۔ اگر ملازموں کی معاشی ذمہ داریاں زیادہ ہیں مثلاً بوڑھے والدین ہیں، بیوی بچے ہیں، ایک ہی کمانے والا ہے تو اس کو فراخ دلی سے تنخواہ دیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ تنخواہ تو ہم اتنی ہی دینگے اس کے علاوہ مدد وغیرہ کرتے رہیں گے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اس طرح ملازمین کی عزت نفس بار بار مجروح ہوتی ہے، جب وہ آپ کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں، سوال کرتے ہیں اور آپ اُن کو خیرات دیتے ہیں۔ اس کے بجائے تنخواہ اتنی دیں کہ ان کی ضروریات پوری ہو جائیں اور اُن کی عزتِ نفس (self respect) بھی سلامت رہے، اُس پر زد نہ پڑے۔ کیونکہ ہم تنخواہ اپنا حق سمجھ کر لیتے ہیں، ہماری محنت کی کمائی ہوتی ہے۔ بجائے اس کے کہ آپ چار ہزار تنخواہ مقرر کریں اور پھر دو ہزار خیرات دیں، اس کی تنخواہ چھ ہزار روپے مقرر کردیں۔ پھر اگر اس کو ضرورت پڑے تو آپ اپنی حیثیت کے مطابق نیک سلوک کرتے رہیں۔ لیکن تنخواہ دینے میں بخل مت کریں۔

بخل عموماً پیسے والوں (haves) کا مرض ہے۔ اللہ نے حیثیت دی ہے اچھا کھاتے پیتے ہیں۔ فائیو اسٹار ہوٹل جا کر دس بارہ ہزار کا کھانا کھا لیتے ہیں۔ ہزار دو ہزار کا پیزا (Pizza) آرڈر کر کے گھر پر منگوا لیتے ہیں تو پھر نوکروں کے ساتھ بھی بخل مت کیجئے، اس سے اُن کے اندر غصہ پیدا ہوتا ہے، بخل دوسروں میں نفرت (resentment) پیدا کرتا ہے۔

**بخل نفرت کا سبب:**

اسلام کا اولین دور دیکھیں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مال دار صحابی بھی تھے لیکن جو غریب تھے

اُنکو کبھی مال داروں سے نفرت نہ ہوئی۔ کبھی آپ یہ نہیں پڑھیں گے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کبھی نفرت کا اظہار کیا یا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جو کہ لکھ پتی صحابی تھے، اُن کے خلاف حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے کبھی نفرت کا اظہار کیا۔ اُس معاشرے میں بہت امیر بھی تھے اور بہت غریب بھی، لیکن غریب امیروں سے نفرت نہیں کرتے تھے اور نہ حرص کرتے تھے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ امیر بخیل نہیں تھے اور غریب حریص نہیں تھے۔ امیر سخی تھے وہ دوسروں پر خرچ کیا کرتے تھے، غریبوں کو مانگنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی تھی مانگنے سے پہلے ہی اُن کو مل جاتا تھا۔ امیر ضرورتمندوں کا خیال رکھتے اور باخبر رہتے اور ضروریات پوری کرتے رہتے تھے۔ ہمارا بھی یہی رویہ ہونا چاہیے ہمیں دوسروں کی ضروریات اور حاجات کا اندازہ ہونا چاہیے۔ ہمیں بھی سخی ہونے کی ضرورت ہے، ان چھوٹی چھوٹی چیزوں میں ڈنڈی مار کر اسکو کفایت شعاری کا لیبل (label) نہ دیا کریں یہ کفایت شعاری نہیں بلکہ بخل ہے۔ کفایت شعاری کو ہم انشاءاللہ تعالیٰ آگے زیرِ بحث لائیں گے۔

## مروت میں بخل کی ایک اور مثال:

مروت میں بخل کی ایک اور مثال یہ ہے کہ کوئی بہن بازار جائے اور چھوٹی چھوٹی چیزوں میں دام کم کرانے کے لئے حجت بازی کرنا شروع کردے، اب ایک کیلے والا ٹھیلہ لگا کر کھڑا ہے اور آپ کو پتہ ہے کہ اگر شام تک اس کا مال نہ بکا تو خراب ہو جائے گا۔ لہٰذا شام کو نقصان سے بچنے کے لئے مجبوراً وہ قیمت کم لگاتا ہے لیکن آپ اُس کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مزید قیمت کم کرنے کے لیے تکرار کرتی رہتی ہیں تو یہ غلط ہے۔ وہ بیچارا دے تو دیتا ہے لیکن آپ یہ سوچیں کہ دس روپے کم کروا کر ہم نے کتنا بچالیا؟ اگر ہم اُسی قیمت میں لے لیتے تو غریب کا بھلا ہو جاتا۔ اپنے بچوں کو تو آئس کریم (ice cream) کھانے کیلئے سو روپے بغیر سوچے سمجھے دے دیتے ہیں تو ٹھیلے والے سے دس بیس روپے بچا کر ہم نے کونسا کمال کر دیا۔ بازار میں آلو پیاز پر کچھ پیسے کم کرانا مروت کا بخل ہے، وقت بھی ضائع ہوتا ہے اور غریب کو تھوڑے منافع سے محروم کر کے خود بھی کچھ نہیں حاصل ہوتا۔

بازار میں اس بھاؤ تاؤ کے چکر میں بہت وقت ضائع ہو جاتا ہے اور کتنا کچھ بچا پاتے ہیں؟

کچھ بھی نہیں! ہاں اگر ہزاروں کی چیز خریدتے وقت پانچ سو یا ہزار کم کروالئے تو بات بھی ہے۔ یہ بخل نہ ہوگا البتہ معمولی چیزوں میں، معمولی رقم پر بھاؤ تاؤ کرنا بخل ہے۔

اس کے برخلاف ایک رویّہ یہ ہوسکتا ہے کہ ایک بازار میں کیلے کے کئی ٹھیلے لگے ہیں۔ کوئی بیس روپے درجن دے رہا ہے، کوئی پچیس روپے اور کوئی تیس روپے درجن لیکن کوالٹی سب کی ایک جیسی ہے۔ اب آپ نے بخل سے بچنے کے لیے تیس روپے درجن والے خرید لئے کیونکہ سستا خریدنے میں بخل کا احتمال ہے۔ یہ دراصل حماقت کا ارتکاب ہے ایسا بھی نہ کریں کہ سخاوت اور فیاضی کے نام پر پوری تنخواہ بانٹ کراڑا دیں، سستی چیزیں چھوڑ کر وہی چیزیں مہنگے داموں میں خرید لیں۔ حماقت کرنے کو نہیں کہا جارہا سخاوت کرنے کو کہا جارہا ہے۔ سخاوت اور حماقت میں فرق ہے، پودینے اور ہرے دھنیے اور مرچوں کی گڈیوں پر دو تین روپے بچا کر کونسی جائیداد بنالیں گی۔

تحفہ دینے میں بھی خیال رکھیں کہ وہ چیز نہ زیادہ گھٹیا ہو اور نہ بہت قیمتی، اس میں فضول خرچ (over board) ہونے کی ضرورت نہیں کہ قرضے لیکر یا حیثیت سے بڑھ چڑھ کر، یا دکھاوے اور واہ واہ کے لئے قیمتی تحفے دیں۔ بس مناسب چیز ہو، حیثیت کے مطابق، لیکن حیثیت کے باوجود گھٹیا چیز تحفے میں دینا مروت کا بخل شمار ہوگا۔

## صدقہ میں بخل:

صدقہ خیرات کرتے وقت گھٹیا ترین چیز دینا کھلا بخل ہے۔ سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۶۷ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ﴾

''اور بُری اور ناپاک چیزیں دینے کا قصد نہ کرنا جسکو کہ تم خود لینے والے نہ ہو مگر اس طرح کہ تم کو آنکھیں بند کرنی پڑیں، جان لو کہ اللہ غنی ہے اور حمید ہے۔''

صدقہ و خیرات میں بخل کیسے کیا جاتا ہے؟ پہلی بات تو یہ کہ جو چیزیں ہم خیرات کے لیے

نکالتے ہیں وہ ہوتی ہی پرانی ہیں، رنگ اتر چکا ہوتا ہے، گھس چکی ہوتی ہیں اس پر مستزاد یہ کہ دیتے ہوئے خیال آتا ہے کہ دوپٹہ تو اتنا استعمال نہیں ہوا، یہ رکھ لیتے ہیں۔ یہ بیل (lace) جو گلے، دامن اور آستینوں میں لگی ہوئی ہے یہ اتار لیتے ہیں، کام آجائے گی۔ باقی سوٹ صدقہ کر دیتے ہیں اور ایسا جوڑا صدقہ دے کر اپنے آپ کو نیک سمجھتے ہیں اور سخاوت کا ڈھونگ رچاتے ہیں، یہ دراصل خیرات میں بخل ہے۔ ذرا یہ سوچیں کہ اللہ جب آپ کو ان نعمتوں سے نوازتا ہے تو کس طرح دیتا ہے؟ کیا پھٹا پرانا، گِھسا پٹا، اُدھڑا ہوا؟ صدقہ کرتے وقت یہ بہت سخت آزمائش ہوتی ہے، اچھی چیز تو دینے کو بالکل دل نہیں چاہتا، لیکن نفس کے ساتھ جہاد کریں اور اس خواہش کو ضبط (control) کریں۔ یہی اللہ فرماتا ہے کہ ایسی چیز مت دو کہ اگر تم کو دی جائے تو تم قبول نہ کرو۔ نوکروں پر کھانے پینے کے معاملے میں بہت زیادہ سختی نہ رکھیں اگر کبھی بغیر پوچھے کچھ اُٹھا کر کھا لیا یا پی لیا تو نظر انداز کر دیں، کھانے پینے کی چیزوں کو تالوں میں نہ رکھیں اور نہ فرج میں تالہ لگائیں بلکہ فروٹ وغیرہ میں اُن کا حصہ ضرور نکالیں، گِن گِن کر نہ دیں۔ اللہ تو آپ کو بے شمار اور اَن گنت دیتا ہے، مزید یہ کہ پھل دینے میں یہ نہ کریں کہ گلے سڑے پھل نوکروں کو دے دیئے یا گوشت میں گردن اور ہڈی پر تھوڑے سے گوشت والی بوٹی ان کی پلیٹ میں ڈال دی۔ خدا کا خوف کریں چاہے تھوڑی چیز دیں مگر اچھی دیں۔ اس کے علاوہ نوکروں کے برتن الگ نہ رکھیں بلکہ اپنے ہی گلاس اور پلیٹ میں اُن کو کھلائیں، خواہ نوکر عیسائی ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ بھی بخل ہے کہ اپنے سے نیچے والوں کو کمتر سمجھا جائے، فرق کیا جائے۔ صرف باسی کھانے پر ہی اُن کو نہ ٹرخا دیا کریں۔ تازہ اور باسی دونوں کھانے آپ بھی کھائیں اور اُن کو بھی دیں۔ اِس طرح اُن کی عزتِ نفس (self respect) مجروح نہیں ہوگی، عزتِ نفس کو ٹھیس نہیں لگے گی۔ بخیل شخص یہ چاہتا ہے کہ صرف باسی کھانا انہیں دیں اور خود تازہ کھانا کھائیں۔

مروت میں بخل یہ بھی ہے کہ نوکر صوفے پر ہمارے برابر نہیں بیٹھ سکتے بلکہ ان کے بیٹھنے کی جگہ تو زمین ہی ہے۔ اگر وہ کہیں ہمت کر کے صوفے پر بیٹھ جائیں تو ہم کیا سوچتے ہیں! ان کا دماغ خراب ہو گیا ہے اپنے آپ کو صاحب کے برابر سمجھتا ہے، ادب و لحاظ چھو کر نہیں گزرا۔ جب تک

چارپائیوں کا رواج تھا، برابری تھی۔لوگ ساتھ آکر بیٹھ جایا کرتے یا دوسری چارپائی پر سامنے آکر بیٹھ جاتے۔اور گاؤں دیہاتوں میں اب بھی چارپائی رواج کی وجہ سے برابری ہے مگر جب شہروں میں ڈرائینگ روم سجا لئے گئے،صوفے اور کرسیاں استعمال میں آگئیں تو طبقاتی فرق بہت بڑھ گیا۔

دوسرے ملکوں میں صفائی کرنے والیوں (cleaning ladies) کے ساتھ بڑی تمیز سے بات کرتے ہیں۔ پلیز کہہ کر کام کرواتے ہیں۔اُن کو الگ پلیٹوں میں کھانا ڈال کر نہیں دیا جاتا بلکہ آزادی سے فرج کھول کر کھانے پینے کی، چیزیں استعمال کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔گھر کے عام برتن استعمال کرتے ہیں، کسی کو اعتراض نہیں ہوتا۔ یہ اخلاق وآداب اور یہ رویّہ تو مسلمانوں کے معاشرے میں ہونا چاہیے تھا۔ اِن چیزوں کا خیال رکھنا چاہیے یہ طبقاتی فرق ٹھیٹھ مشرکانہ مزاج ہے۔انسانوں کے کسی گروہ کو اچھوت (untouchable) سمجھنا مشرکانہ ذہنیت کا نتیجہ ہے۔اسلام میں سب برابر ہیں، مسجد میں نماز کے دوران سب برابر ہوتے ہیں یا نہیں! کیا حج پر پتہ چلتا ہے کون امیر ہے کون غریب؟ سب ایک ہی لباس پہنے ہوئے ہوتے ہیں اور جس کو جہاں جگہ مل جائے وہیں بیٹھ جاتا ہے۔آپ خود سوچیں کہ گھر کی ساری صفائیاں وہ کریں، ہماری گندگی وہ صاف کریں اور ہم ان کو گندا تصور کریں؟ یہ تفریق اور نفرت مشرکوں میں ہوتی ہے،اُن کے اندر مروت نہیں ہوتی۔اسلام ہمیں بہت زیادہ مروت سکھاتا ہے اور دوسروں کی عزتِ نفس کی قدر سکھاتا ہے۔لہٰذا اُن کو عزت دیں،اپنے بچوں سے بھی ان کی عزت کروائیں۔اوراس معاملے میں بخل نہ کریں۔

سخی ہونا، کریم ہونا، بڑی خوبیوں میں سے ہے۔ نبی اکرم ﷺ سب سے زیادہ کریم تھے، آپ ﷺ کسی چیز میں بخل نہیں کیا کرتے تھے۔غریبوں کے ساتھ اس طرح عزت اور مروّت سے پیش آنے سے غریبوں کے دل جیتے جاسکتے ہیں۔پھر وہ ہماری بڑی محبت اور عزت کرنے لگتے ہیں اور دیگر امیروں سے نفرت نہیں کرتے اُنہیں پیسے والوں کو دیکھ کر غصہ نہیں آتا۔

برتنوں کے معاملے میں بھی ان کے ساتھ بخل ہوتا ہے۔گھر والوں کیلئے کانچ کے گلاس اور پلیٹیں اور نوکروں کیلئے اسٹیل یا پلاسٹک کے گلاس اور پلیٹ مختص ہوتے ہیں۔البتہ اگر خود آپ بھی اسٹیل

کے برتن استعمال کریں تو ٹھیک ہے۔افسوس تو یہ ہے کہ یہ احتیاطیں ہم صفائی (hygiene) کے نام پر کرتے ہیں، کہتے ہیں اُن کو دانتوں اور مسوڑوں کی بیماری ہوتی ہے، ہاتھ گندے رہتے ہیں، کوئی لگنے والی بیماری ہوگی، جراثیم پھیلتے ہیں وغیرہ وغیرہ، اسی لیے ہم ان کے برتن علیحدہ رکھتے ہیں۔ یہ بتائیں کہ جب ہمارے ہاں کوئی مہمان آتے ہیں تو کیا ہم اُن سے پہلے صحت اور صفائی کا پوچھتے ہیں یا انہیں فوراً شربت (drinks) وغیرہ پیش کرتے ہیں۔ مروت صرف پیسے والوں کے ساتھ نہیں برتنی چاہئے بلکہ تمام انسانوں (human dignity) کے ساتھ برتنی چاہئے۔ یہ اسلام کے بنیادی اخلاقیات ہیں۔ کام کرنے والوں کی عزت (dignity of labour) کریں۔ وہ اپنے ہاتھ سے حلال کما کر کھاتے ہیں جو انسانیت کی معراج ہے۔ محنت کی کمائی کھاتے ہیں صرف یہی قابلِ عزت بات ہے۔ جتنے دوسروں کی عزت میں سخی ہوں گے انشاء اللہ اتنی ہی اللہ کی رحمت برسے گی۔

## بخیل کی بدنصیبی:

بخیل انسان کا مرض یہ ہوتا ہے کہ خرچ کرتے وقت اس کا دل گھٹتا ہے، دُکھتا ہے اُسے تکلیف ہوتی ہے۔ خرچ کرنے کے بعد پچھتاتا ہے اور غمگین رہتا ہے۔ اللہ کی نعمتوں سے لطف اندوز (enjoy) نہیں ہوسکتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ''بخیل بہت بدنصیب ہوتا ہے دنیا میں محروم اور آخرت میں معذّب (عذاب دیا جانے والا)''۔ بخل کی زد خود بخیل پر پڑتی ہے وہ خود سب سے زیادہ تکلیف (suffer) محسوس کرتا ہے۔

## لباس میں بخل:

لباس میں بخل یہ ہے کہ اچھا خاصا پیسہ ہونے کے باوجود اس قدر بُرا اور گھٹیا لباس پہنا جائے کہ لوگ خیرات دینے آجائیں۔ ایک بزرگ تھے جن کا طریقہ یہ تھا کہ جائے نماز کے نیچے کچھ پیسے رکھا کرتے تھے جو کوئی محتاج یا ضرورتمند سا نظر آتا اُسکو پیسے نکال کر دے دیتے۔ ایک صاحب ملنے کے لئے آئے تھوڑے بے حال سے تھے، پھٹے پرانے، میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے تھے تو بزرگ نے جائے نماز کے نیچے سے کچھ پیسے نکالے اور اُس شخص کو دینے چاہے تو اُس نے بتایا حضرت میں باحیثیت

انسان ہوں تو بزرگ ناراض ہوئے کہ تم باحیثیت اور باعزت ہو تو فقیروں جیسا حلیہ کیوں بنایا ہوا ہے۔ اللہ کی نعمتوں کی ناشکری اور ناقدری کیوں کر رہے ہو، اپنی حیثیت کے مطابق لباس پہنا کرو۔ لہٰذا یہ بھی بخل میں آتا ہے کہ انسان فقیرانہ بود و باش اختیار کر لے۔

## سلام میں بخل:

سلام میں مروت کا تقاضہ کیا ہے؟ کوئی آپ کو سلام کرے تو جواب میں خوش مزاجی کے ساتھ، مسکرا کر، خندہ پیشانی سے، اس سے بہتر الفاظ میں جواب دیں۔ وہ کہے السلام علیکم! تو آپ جواباً ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ کا اضافہ کریں یہ سخاوت ہے۔ سلام میں بخل کیا ہوگا کہ بددلی سے جواب دیا یا پھر وعلیکم کہہ کر چپ ہو گئے یا صرف گردن یا ہاتھ ہلا کر جواب دینے پر اکتفا کر لیا، بڑی شان بے نیازی کے ساتھ جواب دیا۔ یا پھر سلام کرنے والے کی حیثیت کے مطابق سلام کا جواب دیا۔ اپنے سے اونچے یا برابر کے طبقے والوں کو پُر جوش سلام کا جواب دیا لیکن غریب لوگوں کو، ملازمین کو، نوکروں کے سلام کو ٹال دیا یا سلام کرنے میں پہل نہ کی۔ غرباء اپنی غربت کے باوجود سخی ہوتے ہیں، سخاوت کرتے ہیں، سلام کرنے میں پہل کرتے ہیں اور آپ امیر ہوتے ہوئے بھی سلام میں بخل کرتے ہیں، یہ توقع رکھتے ہیں کہ پہل وہ کریں اور آپ صرف سر ہلا کر جواب دے دیں۔ یہ غلط بات ہے، کوشش کریں کہ گھر میں کام کرنے والوں کو خود آگے بڑھ کر سلام کریں اور بچوں کی تربیت کریں کہ وہ اُن کو آپ کہہ کر مخاطب کریں اور سلام کریں۔

## بچوں کو بخیلی سے بچائیں:

جو لوگ خود بخیل ہوتے ہیں وہ اپنے بچوں کو بھی یہی اقدار سکھاتے ہیں اور بچے اُن کے کردار کو دیکھ دیکھ کر بھی سیکھتے ہیں۔ بچوں کو کھلونے، اسکول میں دوستوں کے ساتھ لنچ (lunch) بانٹنا (share) سکھائیں۔ بچوں کو اسکول میں اپنا کھانا یا دوسری چیزیں دوسروں کو دینے سے مت روکیں، بچوں کو ایک دوسرے کی بوقت ضرورت مدد کرنا سکھائیں اور چیزیں بانٹنے (share) کی ترغیب دیں کیونکہ اس میں برکت ہے اور اجر ہے۔ ساتھ ساتھ اپنی چیزوں کی حفاظت اور دھیان سے رکھنا بھی

سکھائیں ادھر اُدھر ضائع کرتے نہ پھریں۔ ان دونوں انتہاؤں (extremes) میں تمیز کرنا سکھائیں۔ چیزوں کو سنبھال کر رکھنا اور بخل کرنا دو الگ الگ رویّے ہیں۔

## مہمانوں کے ساتھ بخل:

مہمانوں کے ساتھ بھی بخل کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً گھر میں اچھی چیز موجود ہو لیکن آپ کسی عام سی چیز سے مہمان کی تواضع کریں، یہ بھی دراصل مروت کا بخل ہے، مہمان کا احترام کرنا ضروری ہے۔ گھر میں موجود اچھی چیز مہمان کے آگے رکھیں۔ یہ حدیث ہے کہ مہمان برکت لے کر آتے ہیں۔ ایک کا کھانا دو کو اور دو کا کھانا چار کو پورا ہوتا ہے۔ یہ آزمائی ہوئی چیز ہے کہ اگر لوگ مہمانوں کو اُن کا حق دیں تو اللہ اُن کے مال میں برکت عطا فرما دیتا ہے۔

خیرات میں بھی اچھی چیز دیا کریں۔ بہت گئی گزری چیزوں کا صدقہ خیرات نہ کریں۔ کیونکہ یہ ہم اللہ کے نام پر دیتے ہیں، اُسی کا دیا ہوا ہے تو اُس کو اچھی چیز واپس کریں۔ بہت پرانے، گئے گزرے، کپڑے صفائی ستھرائی (dusting) کے لئے رکھ لیا کریں۔ ہمیں خیرات کرتے وقت اللہ کے اعلیٰ وارفع واولیٰ ہونے کا احساس ہونا چاہیے، وہ رزّاق ہے، آسمانوں اور زمینوں کا مالک اور رب ہے، لہٰذا دیتے وقت رویّہ بھی اچھا رکھیں، مسکرا کر دیں، خندہ پیشانی سے دیں، جھک کر خیرات کریں، دوسروں کو یہ احساس نہ دلائیں کہ آپ کا اُن پر احسان ہے بلکہ اُن کا حق جان کر ادا کریں۔ تکبر کیساتھ، بدّلی کے ساتھ، ماتھے پر سلوٹیں ڈال کر دینا، شانِ بے نیازی سے دینا، یہ بھی اچھا نہیں ہے۔ اُس خیرات کا بھی اجر کم ہو جاتا ہے۔

بعض گھروں میں یہ بھی ہوتا ہے کہ ماں باپ اپنے بچوں کو اچھے اچھے کھلونے دلواتے ہیں اور کھلونوں کا ایک ڈھیر جمع ہو جاتا ہے مگر جب دوسرے گھروں کے بچے کبھی مہمان بن کر آجائیں تو فوراً تمام کھلونے چھپا دیئے جاتے ہیں، یہ بھی بخل ہے۔ اس دنیا کے خالق کے ارشاد کے مطابق دنیا بذاتِ خود ایک برتنے کی چیز ہے۔ اور اس دنیا میں بچوں کے کھلونوں کو اتنی اہمیت دینا کنجوسی کی انتہا ہے۔ ایسے لوگ دوسرے بچوں کو کھلونوں سے کھیلنے نہیں دیتے کہ خراب کر دیں گے۔ اپنے بچوں کو سکھاتے ہیں کہ اپنا

کھلونا کسی کو مت دینا اور بچوں کو اِس عمر سے بخیلی کی عادت ڈال دی جاتی ہے بعض بچے بڑے ہو جاتے ہیں اور بچپن کے کھلونے الماریوں میں سجائے ہوتے ہیں ۔اُن سے جدا ہونا مشکل لگتا ہے۔ایسے لوگ پھر چھوٹے بڑے نقصان پر سخت مایوسی (depression) کا شکار ہو جاتے ہیں ۔نعمت کے چھن جانے سے اُن کی جان پر بن آتی ہے۔

## فالتو چیزوں میں بخل:

بعض گھروں میں خالی ڈبوں، خالی بوتلوں اور خالی شیشیوں کا انبار لگا ہوتا ہے، لیکن کسی کو دیتے نہیں ہیں کہ کام آئیگی ۔آئس کریم کے خالی ڈبے اگر ماسی مانگ لے تو مشکل پڑ جاتی ہے اور اس کو کفایت شعاری سمجھا جاتا ہے حالانکہ یہ بخل اور کنجوسی ہے ۔کباڑ جمع کرنا، سمیٹ سمیٹ کر رکھنا کہ نہ جانے کب ضرورت پڑ جائے بخل ہے۔

## جذبات میں بخل:

جذبات میں بھی بخل ہوسکتا ہے مثلاً خوشی کے موقع پر خوشی کا اظہار نہ کرنا۔اب کسی کے گھر میں شادی ہے یا نیا گھر بنا ہے یا بچہ امتحان میں کامیاب ہوا ہے یا کوئی اور مبارک موقع ہے لیکن دین کی رُو سے خوشی کا اظہار حرام سمجھ لیا کہ دنیاوی باتوں پر کیا خوش ہونا! یہ غلط ہے اور جذبات کا بخل ہے اگر اس طرح کی خوشی میسّر آئے تو ضرور منائیں اور اگر کسی کے ہاں ایسی خوشی آئے تو اُس کی خوشی میں ضرور شامل ہوں اور یوں دعا دیں کہ اللہ مبارک کرے، اللہ مزید خوشیاں دکھائے ۔اسی طرح غم کا موقع ہو تو غم کا اظہار کریں ۔نبی اکرم ﷺ جب اپنے بیٹے کے انتقال پر آبدیدہ ہوئے، آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے حیرت سے پوچھا: آپ ﷺ رو رہے ہیں ۔تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ وَلَا نَقُولُ اِلَّا مَا يَرْضَى رَبُّنَا وَاِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيمُ لَمَحْزُونُونَ))[1]

''دِل میں نرمی تو ہے آنکھ تو غم کا اظہار کرے گی۔مگر زبان سے کوئی شکایت کا لفظ نہیں نکلے گا۔''

(۱)بخاری، کتاب الجنائز ،باب قول النبی ﷺ انا بك لمحزونون)

چنانچہ اس میں بخل کا اظہار نہ کیا جائے۔

## تعریف میں بخل:

کسی قابلِ تعریف چیز کی تعریف نہ کی جائے تو یہ بخل ہے۔ کسی نے کوئی اچھا کام کیا تو مدح کریں، اُس کی محنت کو سراہیں لیکن تعریف کرنے میں جھوٹ نہ بولیں، مبالغہ آرائی سے کام نہ لیں۔ ہاں اگر تعریف کے قابل کوئی چیز ہے تو مناسب تعریف میں کوئی مضائقہ نہیں۔

مفتی تقی عثمانی صاحب اپنی کتاب ''اصلاحی خطبات'' میں اپنے استاد ڈاکٹر عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ایک صاحب اُن کے دروس میں آیا کرتے تھے ایک بار ڈاکٹر عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ کو کھانے پر بلایا۔ حضرت وہاں گئے، کھانا کھایا اور کھا کر بہت تعریف کی کہ بہت لذیذ پکا ہے۔ خاتون خانہ بھی پردے کے پیچھے موجود تھیں وہ کھانے کی تعریف سن کر رونے لگیں تو یہ بڑے حیران ہوئے۔ پوچھا بہن میری کس بات سے آپ کو تکلیف پہنچی، میں نے تو کھانے کی تعریف کی ہے۔ کہنے لگیں کہ مجھے اپنے شوہر کے ساتھ رہتے ہوئے چالیس برس گزر گئے۔ آج تک اُن کے منہ سے میں نے یہ جملہ نہیں سنا کہ آج کھانا اچھا پکا ہے۔ آج آپکے منہ سے سنا تو مجھ کو رونا آ گیا۔ لہٰذا کوئی تعریف کے قابل چیز ہو تو تعریف کریں۔ کوئی خوبصورت لگ رہا ہے یا کسی نے اچھا لباس پہنا ہے تو کہہ دیجئے کہ آپ اچھے لگ رہے ہیں یا لباس اچھا لگ رہا ہے۔ دین پر کاربند ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ بندہ بالکل خشک مزاج ہو جائے، تلخ (bitter) اور بے حس ہو کر رہ جائے اس کی ضرورت نہیں۔ مبالغے سے یقیناً بچنا چاہیے لیکن بخل کرنا بھی ٹھیک نہیں، یہ دوسری انتہا (extreme) ہے۔

تعریف کے معاملے میں نوکروں سے بھی بے اعتنائی نہ برتیں۔ اگر آپکے ہاں کوئی ملازمہ کھانا پکاتی ہے اور کسی دن کھانا اچھا لگا تو کہہ دیجئے آج کھانا اچھا تھا۔ یا جھاڑو پوچھا کرنے والی ہے کسی دن گھر خوب صاف کر کے چمکا دیا، بیت الخلاء (washrooms) اچھی طرح سے دھو دیئے تو شکریہ ادا کریں اور کہہ دیں کہ بہت اچھی صفائی کی، دل خوش کر دیا وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح اس کا دل بڑھے گا لیکن ہم سوچتے ہیں کہ اگر ہم تعریف کریں گے تو یہ سر پر چڑھ جائیں گے۔ غور کریں کہ اللہ نے بھی تو ہم کو بہت کچھ

دے کر سر پر چڑھایا ہوا ہے۔ جیسے ہم تعریف سن کر خوش ہوتے ہیں ایسے ہی دوسروں کو بھی خوشیاں دیں۔

## معذرت کرنے میں بخل:

اگر کبھی کوئی قصور یا بھول چُوک ہو جائے تو معذرت (sorry) کرنے میں بخل نہ کریں۔ اس معاملے میں ہم بہت زیادہ بخل کرتے ہیں کیونکہ معذرت (sorry) کرنے سے ہماری انا پر زد پڑتی ہے۔ اور ہم سمجھ چکے ہیں کہ تزکیہ کا آغاز ہی اَنا کی درستگی سے ہوتا ہے۔ اگر کبھی بلاوجہ کسی غلط فہمی کی بنا پر آپ نے ڈرائیور یا ملازمہ کو ڈانٹ دیا تو اپنی غلطی کا احساس ہو جانے پر نوکر سے معذرت کر لیں۔ کہہ دیں کہ مجھ سے غلطی ہوئی یا میں غلط سمجھا، آپ کا قصور نہیں تھا میں نے خواہ مخواہ آپ کو ڈانٹ دیا۔ معذرت (sorry) کرنے سے بخیل کی عزت گھٹتی ہے سخی انسان کی نہیں۔ انسان جتنا سخی ہوتا ہے اتنا ہی باعزت ہوتا ہے۔ اگر آپ کسی سے معافی مانگیں گے تو وہ آپ کی زیادہ عزت کرنے لگے گا۔ وہ آپ سے سیکھے گا کہ بڑوں سے بھی غلطی ہو جاتی ہے اور غلطی مان لینا اچھی بات ہے، جب ہم غلطی ماننے میں بخل کرتے ہیں تو بچے ہم سے یہی بات سیکھتے (pick) ہیں کہ غلطی کا اقرار نہ کیا جائے بلکہ چھپائی جائے۔ لہٰذا آپ کے بچے بھی آپ کی طرح اپنی غلطی نہیں مانیں گے اور نہ معافی (sorry) مانگیں گے۔

## غفلت کا بخل:

غفلت کا شمار بھی بخل میں ہوتا ہے یعنی جس کام کو جتنا وقت دینا چاہیے اتنا نہ دینا۔ کسی کام کو جتنا وقت دینا چاہیے تھا اُس کو اتنا وقت نہ دے کر آپ نے نظر انداز (neglect) کیا یا اپنی ذمہ داری ایمانداری سے نہ نبھائی یہ بھی غفلت کی مثال ہے۔ جس چیز کا جتنا حق ہے اُسکو اتنا حق دے دینا چاہیے۔

## روزمرہ استعمال ہونے والی اشیاء میں بخل:

بعض دفعہ پڑوسی کوئی چیز مانگتے ہیں، کبھی کوئی مشین مانگ لی، برتن مانگ لئے، آلو پیاز جیسی چھوٹی موٹی چیزیں مانگ لیں۔ ان میں ہاتھ روکنا بخل ہے۔ سورۂ ماعون میں اِسی کا تذکرہ ہے۔ پڑوسیوں میں چیزوں کا تبادلہ ہونا چاہیے، ضرورت پڑنے پر پڑوسیوں کے ساتھ یہ چیزیں ایک دوسرے کو دینی (share) چاہئیں۔

بعض دفعہ نوکروں کو تنخواہ دیتے وقت یا کوئی کُھلاَ مانگ لے تو ہم ڈھونڈ کر پُرانا نوٹ دیتے ہیں۔ نیا نوٹ نہیں دیتے یہ بھی ایک طرح سے بُخل ہے۔ یہ کوئی گناہ ثواب کا معاملہ نہیں مگر یہ عمل ہماری سوچ کی عکاسی کرتا ہے۔ بازار میں بھی کُھلے پیسے ہونے کے باوجود دکاندار کو بڑا نوٹ دیتے ہیں۔ وہ کُھلے پیسے مانگ لے تو جھوٹ بول دیتے ہیں کہ ہمارے پاس تو بندھے ہوئے ہی ہیں، ہمارے پاس کُھلا نہیں۔ دوسو کی خریداری کر کے پانچ ہزار روپے کا نوٹ دیتے ہیں۔ اب آپ دیکھیں کہ بُخل کی وجہ سے جھوٹ بھی بولنا پڑا جو کہ یقیناً گناہ ہے لہٰذا ان چیزوں میں محتاط رہیں۔

دنیا میں آج کتنے امیر لوگ ہیں جو ٹیکس (tax) چوری کرتے ہیں۔ ایک خاتون کے بارے میں اخبار میں آیا تھا کہ لکھ پتی (millionaire) ہے لیکن اُس کا اپنا بچہ خیراتی ہسپتال میں مر گیا۔ ایسے لوگ پیسے سینت سینت کر رکھتے ہیں، لوگوں کی مدد نہیں کرتے، قرض نہیں دیتے، سمجھتے ہیں کہ یہ دولت اُن کے بُرے وقت میں کام آئیگی۔ پیسہ خرچ کرنے سے بہت گھبراتے ہیں، یہ ہیں وہ عبدالدینار جنھوں نے پیسے کو اپنا معبود بنایا ہوا ہے۔ ایسا شخص پیسہ جمع کرتا ہے، گن گن کر رکھتا ہے خواہشات تو دور کی بات ضروریات پر بھی خرچ نہیں کرتا اور بس پیسہ کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا ہے لیکن اُس کی یہ خوشی بھی عارضی ہوتی ہے۔

## بُخل کا علاج:

کنجوس ہر وقت بے چین رہتا ہے۔ اُسے ہر وقت یہ دھڑکہ لگا رہتا ہے کہ کہیں کوئی مجھ سے پیسے نہ مانگ لے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ ایک شخص کسی بزرگ کے پاس آیا اور بہت رویا، اپنی پریشانی کا اظہار کیا بزرگ نے پوچھا کیا تکلیف ہے، بولا میں اچھا خاصا دولتمند ہوں لیکن جب کسی سوالی یا فقیر کو اپنی طرف آتا دیکھتا ہوں تو مجھے لگتا ہے جیسے موت آرہی ہے۔ میرا علاج کر دیجئے! مجھے ہر وقت خوف رہتا ہے کہ ابھی کوئی آکر مجھ سے کچھ مانگ لے گا، مجھے پیسے سے جدا ہونے کا خوف ہر وقت دامن گیر رہتا ہے۔ اُنہوں نے کہا اس کا علاج صبر اور مشقت ہے کہ بندہ زبردستی پیسے کو خود سے جدا کرتا رہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اِس بیماری کا علاج بتاتے ہوئے فرمایا کہ کسی بڑی بیماری کا علاج کرنا ہو تو پہلے اُس کو کسی چھوٹی بیماری میں بدل (convert) دو، تو چھوٹی بیماری کا علاج آسان ہوتا

ہے۔ یہ حُبِّ مال ایک بڑی بیماری ہے، اِس کو حُبِّ جاہ میں تبدیل کردو جو کہ نسبتاً چھوٹی بیماری ہے، اس کا علاج آسان ہے۔ اُس سے کہو کہ جب تم مال خرچ کرو گے تو لوگ تمہاری عزت کرینگے، تمہارا نام ہوگا۔ یہ ہے ریاکاری لیکن اس کا علاج آسان ہے۔ آہستہ آہستہ وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا شروع کردے گا۔ پہلے مال کی محبت سے چھٹکارا حاصل ہو جائے اور جبّ مال کی محبت دِل سے کٹ جائے تو پھر اللہ کی راہ میں خرچ آسان ہو جاتا ہے۔ یہ ہے اس کا علاج!

دراصل بخیل کسی حال میں خوش نہیں ہوتا۔ کسی کے گھر مہمان بن کر جاتا ہے تو اس کا دل گھٹتا ہے کہ اب ان کو تحفے تحائف دینے پڑیں گے۔ اس کو کوئی چیز خوشی نہیں دیتی، نہ کسی کے آنے سے خوش ہوتا ہے اور نہ کسی کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ ہر وقت غم میں مبتلا رہتا ہے کیونکہ پیسہ تو بذاتِ خود خوشی نہیں دے سکتا۔ بخیل ساری زندگی پیسہ بچاتا اور سنبھالتا رہتا ہے اور یہ غم اس کو کھائے جاتا ہے کہ کہیں کوئی ادھار نہ مانگ لے یا خرچ نہ کرنے پڑ جائیں، وہ اپنی اس نعمت کا حظ (enjoy) نہیں اٹھا پاتا۔ حقیقت یہ ہے کہ پیسہ خرچ کرنے سے انسان کو سچی خوشی ملتی ہے، اپنی یا کسی اور کی ضرورت پوری کر کے اطمینان حاصل ہوتا ہے، روحانی خوشی اور سکون ملتا ہے۔ اسکے برعکس بخیل کوئی چیز خرید بھی لے تو اس کو اتنا سنبھال کر رکھتا ہے کہ استعمال کی نوبت ہی نہیں آتی، کوئی نعمت اس کو خوشی نہیں دیتی بلکہ مزید پریشانی (tension) کا سبب بن جاتی ہے۔

بخل اور اسراف کے درمیان اعتدال کا راستہ ہے۔ انسان معتدل روش اپنائے، مناسب رویہّ رکھے۔ قرآن میں آتا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا﴾

(الفرقان : 67)

''وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ بے جا اُڑاتے ہیں اور نہ تنگی کو کام میں لاتے ہیں بلکہ اعتدال کے ساتھ نہ ضرورت سے زیادہ نہ کم۔''

پھر سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد ہے:

﴿وَلاَ تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلاَ تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا﴾ (۲۹)

''کہ اپنا ہاتھ نہ گلے سے (گردن سے) بندھا ہوا کرلو اور نہ بالکل کھول ہی دو۔ (کہ سبھی کچھ دے ڈالو اور انجام یہ ہو) کہ ملامت زدہ اور درماندہ ہوکر بیٹھ جاؤ۔''

مطلب یہ کہ بالکل مٹھی بند (tight fisted) نہ کرلو، اور نہ اتنا ہاتھ کھول لو کہ سب ہی لٹادو۔ یہ کروگے تو خود ہی نقصان اٹھاؤ گے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا ہے:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ))[1]

''اے اللہ تیری پناہ چاہتا ہوں بزدلی سے اور کنجوسی سے۔''

ایک اور طویل دعا سنن نسائی میں ہے کہ ''اے اللہ مجھ کو تو میانہ روی کی توفیق عطا فرما! میں جب غنی ہوں تب بھی اور فقیر ہوں تب بھی۔''

اور اگر بخل کرنا ہی ہے تو انسان گناہوں میں کرے، گناہ میں بخیل ہو جائے، گناہ کے کام میں اپنا ایک پیسہ بھی نہ لگائے، وقت کا ایک سیکنڈ بھی نہ لگائے۔

**بخل اور اسراف یکجا:**

کیا کوئی شخص ایسا ہوسکتا ہے جو بیک وقت مسرف بھی ہو اور بخیل بھی ہو! کیا یہ ممکن ہے! کس طرح سے ممکن ہوگا؟ دوسروں کیساتھ بخیل اپنے ساتھ مسرف، جی ہاں۔ ایسے لوگ معاشرے میں پائے جاتے ہیں اپنے لئے ہزاروں بھی خرچ کردینگے اپنی خواہشات پر بڑی خوشی سے لاکھوں لگا دیں گے۔ اور اگر کسی دوسرے کو تحفہ دینا ہو یا صدقہ، خیرات، زکوٰۃ وغیرہ دینی ہو یا کسی کی کوئی ضرورت پوری کرنی ہو تو ہاتھ گردن سے باندھ لیں گے۔ اعتدال اور احسن طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنے لئے سادگی اور دوسروں کے لئے سخاوت کا رویّہ رکھے۔ اس لئے کہ اپنے لئے مسرف اور دوسروں کے لئے بخیل اپنے آپ کو

(۱) بخاری، کتاب الدعوات، الاستعاذہ من أرذل العمر۔۔۔

ہلاک کردینے والی چیز ہے۔ دوسروں کو ان کی توقع سے زیادہ دیں۔

آپ ﷺ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ ﷺ انتہائی سخی تھے، ''جواد'' تھے۔ آپ ﷺ ہوا کی مانند سخی تھے۔ آپ ﷺ لوگوں کو ایسے دیا کرتے تھے کہ جیسے آپ ﷺ کو فقر کا کوئی اندیشہ ہی نہیں۔

لہٰذا ذخیرہ نہ کریں بلکہ سخی بننے کی کوشش کریں۔ الماریاں مت بھریں سخاوت کریں، ذخیرہ انسان کو پریشان کردیتا ہے۔ جتنی الماریاں اور تجوریاں ہلکی ہوں گی اتنے ہی آپ خوش رہیں گے۔

کیا کوئی غریب اسراف کرنے والا بھی ہوسکتا ہے؟ ایسے لوگ اپنی خواہشات پوری کرنے کے لیے حرام ذرائع اختیار کرتے ہیں، چور ہوتے ہیں۔ کیونکہ اپنے پاس تو ہے نہیں لہٰذا شاہ خرچیوں کے لئے قرض لے لیا، دوسرے کا حق مار لیا، رشوت لے لی۔ یا پھر کثرت سے سوال کرنے والے ہوتے ہیں۔

بعض لوگ فرمائشوں میں اسراف کرتے ہیں، اتنا اسراف کرتے ہیں کہ ان کی فرمائشیں لامتناہی ہوجاتی ہیں۔ مثلاً اگر پتہ چل جائے کہ کوئی جاننے والا دبئی جارہا ہے یا وہاں سے آرہا ہے تو فوراً لسٹ پکڑا دینگے۔ بعض دفعہ لوگ رسماً بھی پوچھ لیتے ہیں کہ یہاں سے کچھ چاہئے تو نہیں جواب میں ہم شیمپو، جوتے، پرفیوم سے لے کر ہینڈ بیگ تک آرڈر کردیتے ہیں، یہ زیادتی ہے۔ انسان کو چاہئے کہ ان چیزوں سے غنی ہوجائے، کہہ دے کہ کچھ نہیں چاہئے، اپنے ملک میں ہر چیز دستیاب ہے۔ غنی وہ ہے جس کو کسی چیز کی تمنا اور خواہش نہ ہو۔ کثرت کے ساتھ فرمائش کرنے والا ہی کثرت کے ساتھ سوال کرنے والا ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کو یہ عادت ہوتی ہے کہ کوئی امریکہ سے آرہا ہے تو اُس کو کہہ دیا یہ لادو وہاں سستا ہے، کوئی دبئی سے آرہا ہے تو اُس سے فرمائش کردی کہ یہ لادو وہاں سستی ہے۔ حالانکہ کہیں کچھ سستا نہیں ہوتا اور پھر دوسروں کو تکلیف میں ڈالنا کہ اپنا سامان بھی اٹھائے اور آپ کا بوجھ بھی لادے، زیادہ وزن کی قیمت (over weight) بھی ادا کرے، کسٹم (custom) میں الگ پریشان ہو، یہ دوسروں کو مشکل میں ڈالنے والی بات ہے یہاں بھی ہمیں ذرا معتدل اور محتاط رہنے کی ضرورت ہے، اس میں اسراف نہ کریں۔ یہ چیز انسان کو پریشان کردیتی ہے۔ بندہ غنی ہوجائے۔ غِنٰی بہت اچھی چیز ہے، حدیث میں آتا ہے: ((اَلْغِنَی غِنَی النَّفْسِ))[1] ''جس کا نفس غنی ہے دراصل وہی غنی ہے۔''

---

(۱) بخاری، کتاب الرقائق، الغنی غن النفس...

خواہشات اٹھتی ہی نہیں، چیزوں کو دیکھ کر دل للچاتا ہی نہیں۔ اگر پیسہ ہے تو سخی ہونا بڑی اچھی بات ہے، سخی ہونا بڑی اچھی صفت ہے اس کو عربی میں کہتے ہیں ''جواد'' ہونا، ''کریم'' ہونا۔

## کنجوسی اور کفایت شعاری کا فرق:

بخل اور کفایت شعاری کا فرق سمجھنا بھی بہت ضروری ہے۔ بخل یہ ہے کہ باحیثیت ہوتے ہوئے بھی اپنی ضروریات اور دوسروں پر خرچ نہ کیا جائے، اگر خرچ کر بھی لیں تو بہت گھٹیا چیزیں دیں۔ جبکہ کفایت شعاری یہ ہے کہ پیسہ کی کمی کے باوجود احسن طریقے سے خرچ کرنا کہ اس سے ساری ضروریات اچھی طرح پوری ہو جائیں۔ پیسے کو پھیلا کر ایسے پورا کرنا یا استعمال کرنا کہ تمام ضروریات اس میں سمٹ جائیں، دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانے اور قرض لینے کی نوبت نہ آئے اور یہ کفایت شعاری انتہائی پسندیدہ صفت ہے۔

مثلاً ایک عورت ہے اس کے پاس کم پیسہ ہے وہ بچوں کے یونیفارم گھر میں سیتی ہے، اپنے شوہر کے کپڑے سیتی ہے، بچوں کو خود پڑھا لیتی ہے۔ یہ کفایت شعاری ہے کہ میاں کی کم تنخواہ میں سب اخراجات سمیٹ لئے، یہ بہت سلیقے والی عورت ہے۔ انسان نہ اسراف کا شکار ہو اور نہ بخل کا۔ دوستی میں، دشمنی میں، جذبات میں، روپے پیسے میں، وقت صرف کرنے میں نہ بخل کرے اور نہ اسراف کرے۔ جہاں تک دوستی اور دشمنی کا تعلق ہے اس کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ اپنے دوست کو کم کم چاہو، اپنے محبوب سے تھوڑی تھوڑی محبت کرو ہو سکتا ہے وہ ایک دن تمہارا دشمن ہو جائے تو محبت میں اسراف مت کرو آپے سے باہر نہ ہو جاؤ بلکہ اعتدال رکھو۔ اور دشمن کے بارے میں فرمایا کہ اپنے دشمن سے تھوڑی دشمنی رکھو ہو سکتا ہے وہ ایک دن تمہارا دوست بن جائے تو دشمنی میں بھی حد سے مت گزرو کہ ایک دن وہ تمہارا دشمن دوست بن جائے اور تمہیں دشمنی میں کئے گئے کاموں پر افسوس اور شرمندگی ہو۔

### خلاصہ:

اپنی غلطیوں اور کمزوریوں کا اعتراف کرنے میں مت ہچکچائیں، اُن کو مانیں تب ہی علاج ہو سکے گا۔ اپنی غلطی اور کمزوری مان لینا، اعتراف کر لینا ہی اصلاح کا پہلا قدم ہے یہ عین انسانیت ہے۔

صدقات وخیرات، غریبوں اور ملازموں کی دل کھول کر مدد کریں۔اس میں برکت اور بھلائی ہے، اچھی اور کام کی چیزیں دیں۔عورتیں سوٹ دیتے وقت دوپٹہ غائب نہ کریں۔بیٹیوں والی مائیں تھوڑی بہت کنجوس ہو ہی جاتی ہیں، دوپٹہ اگر ٹھیک ٹھاک ہے تو یہ سوچ کر رکھ لیا کہ بیٹی کے کام آجائے گا۔اپنے قیمتی اور اچھے کپڑے مائیں اپنی بیٹیوں کے لئے رکھ دیتی ہیں مگر جب ان کے پہننے کا وقت آتا ہے تو فیشن بدل چکا ہوتا ہے اور بیٹیاں پہننے سے انکار کر دیتی ہیں۔آپ یہ سوچیں کہ آج آپ نے کسی کی ضرورت پوری کی تو کل انشاءاللہ جب آپ کے بچوں کی شادی کا وقت آئیگا تو اللہ آپ کی ضرورت پوری کریگا، اللہ آپ کو محروم نہیں کریگا۔بچوں کا حوصلہ (encourage) بڑھائیں کہ وہ اسکول میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ کھانا، پنسل، کاپی وغیرہ مل جل کر استعمال کریں۔یہ اچھی عادت ہے اپنے بچوں میں سخاوت کا بیج بوئیں۔

پیسہ اور صلاحیت ہوتے ہوئے بھی دین کے راستے میں نہ لگانا، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے خرچ نہ کرنا، اس بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ﴾ (محمد ﷺ ۳۸)

''جو بخل کرتا ہے وہ اپنے آپ سے بخل کرتا ہے۔''

اللہ کو تو ضرورت نہیں ہے وہ تو بے نیاز ہے اسی آیت میں آگے آتا ہے کہ اللہ تو غنی ہے تم ہی محتاج ہو، تمہیں ضرورت ہے۔اللہ کی راہ میں ضرور وقت دو، صلاحیت لگاؤ اور پیسہ لگاؤ۔

اپنے بچوں سے خوب پیار کریں انہیں احساس دلائیں کہ آپکو وہ بہت محبوب ہیں، کہا جاتا ہے کہ بچوں کو بہت پُچ پُچ نہ کیا کرو وہ خراب ہو جائینگے۔یہ بات غلط ہے بچوں کو ضرور بتائیں کہ آپ اُن سے کتنا پیار کرتے ہیں۔زیادہ پیار سے کوئی نہیں بگڑتا بلکہ بچے بے جا پیار سے بگڑتے ہیں، ڈانٹ کے موقع پر بھی آپ درگزر کر دیں اور غلطی پر نہ ٹوکیں تو بگڑنے کا اندیشہ ہے۔اسی طرح ماں سے محبت کا اظہار کریں، شوہر سے محبت کا اظہار کریں اس میں کوئی خرابی نہیں بلکہ یہ تو خیر ہی خیر ہے۔

اُن کو بتائیں جب آپ نہیں ہوتے تو ہم آپ کو یاد (miss) کرتے ہیں بچوں سے بھی

کہئے کہ آپ یاد آتے ہیں، اس سے تعلقات میں مضبوطی آتی ہے، محبت بڑھتی ہے، اس میں اسراف نہ ہو لیکن جذبات کا اظہار ضرور ہو یہ زندگی کو خوشگوار بنا دیتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے کسی سے پوچھا، ''کیا تجھے فلاں سے محبت ہے؟ اس نے کہا ہاں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جا کر اس کو بتاؤ کہ تمہیں اس سے محبت ہے۔'' اس سے آپس کے تعلقات سنورتے ہیں، دعوتوں کے بعد یا پورے گھر کی صفائی کے بعد نوکروں کو خوش کر دیا کریں، شاباشی دے کر یا کام کی تعریف کر کے اس میں بخل نہ کریں۔ مرد ملازمین کے ساتھ گھر کے حضرات ایسا رویہ اختیار کر سکتے ہیں۔

نافع علم میں بھی بخل کیا جاتا ہے لوگ کھانے کی ترکیبیں (recipes) نہیں بتاتے، درزی کی دکان کا نام نہیں بتاتے یا کسی جگہ سستی چیزیں مل رہی ہوں تو وہاں کا پتہ نہیں بتاتے وغیرہ وغیرہ اس سب کا علاج یہ ہے کہ اپنے آپ کو یہ باور کرائیں کہ اللہ نے جس کی قسمت میں جو لکھ دیا ہے وہ اُس کو مل کر رہے گا۔ ہاں اگر آپ اُس کا ذریعہ بنیں گے تو آپ کو اجر مل جائے گا ورنہ اللہ کسی اور سے یہ کام لے لیگا۔

کسی نے ایک بزرگ سے پوچھا کہ میں اللہ کی راہ میں دینا چاہتا ہوں مگر مستحق اور غیر مستحق کا فرق نہیں کر پاتا۔ انہوں نے کہا دونوں کو دو کیونکہ اللہ تجھ کو وہ بھی دیتا ہے جسکا تو مستحق ہے اور وہ بھی جسکا تو مستحق نہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک فرشتہ اترتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ ''اے اللہ جو تیری راہ میں خرچ کرتا ہے اس کو اور دے''۔ ایک اور فرشتہ اُترتا ہے اور کہتا ہے ''اے اللہ جو روک روک کر رکھتا ہے اس کا مال برباد کر دے اس کا مال فنا کر دے''۔ قرآن میں ہم نے پڑھا ہے کہ جو تم خرچ کرتے ہو اس کے پیچھے اللہ اور لے آتا ہے کسی کو کمی نہیں ہوتی۔ کیا کسی کو اللہ کی راہ میں خرچ کر کے کمی ہوئی؟ ہم غریبوں کو کھانا کھلائیں گے تو کیا اللہ ہمیں بھوکے پیٹ سُلائے گا؟ دراصل برکت بڑی چیز ہے لیکن بخل کرنے سے برکت اُٹھ جاتی ہے۔ فیاضی اور سخاوت سے برکت (generosity) آتی ہے۔ دیتے وقت یہ سوچیں کہ شاید میں زندگی میں آخری بار دے رہی ہوں پھر شاید موقع ہی نہ ملے۔ محروم، سائل اور غریب کو دیتے وقت اُس کے ممنون رہیں کہ اُس نے ہمارا مال قبول کیا اور شکر ادا کرنا چاہیے کہ اللہ نے ہمیں دینے والا بنایا ہے۔ اور دعا کریں کہ اللہ ہمیشہ دینے والوں میں رکھے، مانگنے والا نہ بنائے۔ حدیث میں

آتا ہے کہ:

((اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِنَ الْیَدِ السُّفْلٰی)) (۱)

''اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔''

ایک طویل حدیث میں مضمون آتا ہے کہ:

((اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ یَقُوْلُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ یَا ابْنَ آدَمَ اسْتَطْعَمْتُكَ فَلَمْ تُطْعِمْنِی قَالَ یَا رَبِّ وَکَیْفَ أُطْعِمُكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِینَ قَالَ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّهُ اسْتَطْعَمَكَ عَبْدِی فُلَانٌ فَلَمْ تُطْعِمْهُ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ أَطْعَمْتَهُ لَوَجَدْتَ ذٰلِكَ عِنْدِی)) (۲)

''اللہ قیامت کے دن بندے سے کہے گا کہ اے میرے بندے میں بھوکا تھا تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا۔ تو بندہ کہے گا کہ اے اللہ میں تجھے کیسے کھلا سکتا ہوں تُو تو دونوں جہانوں کا رب ہے۔ تو اللہ کہے گا کیا تجھے یاد نہیں کہ تجھ سے میرے فلاں بندے نے کھانا مانگا تھا، تو نے اسے نہ کھلایا، کیا تو جانتا نہیں کہ اگر تو اسے کھلاتا تو مجھے اُس کے پاس پاتا۔''

حدیث میں یہ مضمون بھی آتا ہے کہ مانگنے والے سوالی کے ہاتھ کے اوپر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے تو انسان اللہ کے ہاتھ پر اچھی اور بہتر چیز رکھے۔ اللہ سے بخل سے حفاظت اور سخاوت کی دعا مانگے۔

ایک اور دعا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ ہمیں بخل سے بچالے''۔ نہ شریعت میں بخل کریں، نہ ہم مروت میں، نہ جذبات میں بخل کریں اور نہ لوگوں کے ساتھ تعلقات نبھانے میں بخل کریں۔

---

(۱) بخاری، کتاب الزکاۃ، باب لا صدقة عن ظهر الغنی

(۲) ریاض الصالحین، کتاب عیادۃ المریض وتشییع المیت، باب عیادۃ المریض

# دِکھاوا

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے دکھاوے اور اترانے کے لیے ''بطر'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ﴾ (الانفال :٤٧)

''تم اُن لوگوں کی مانند مت ہو جانا جو اپنے گھروں سے نکلے اِتراتے ہوئے اور وہ لوگوں کو روکتے ہیں اللہ کے راستے سے اور جو کچھ وہ عمل کرتے ہیں اللہ اُس پر محیط ہے۔''

اس آیت میں دو الفاظ آئے ہیں۔''بطر'' اور ''ریا''۔ان دونوں کے معنی دکھاوا یا اِترانا ہی ہیں لیکن ان میں فرق یہ ہے کہ ریاکاری ہر چیز میں کی جا سکتی ہے یعنی عبادت میں، کسی صلاحیت میں یا کسی اور چیز میں جبکہ بطر صرف مال و دولت میں دکھاوے کے ساتھ مخصوص ہے۔

سورۃ القصص کی آیت ۵۸ میں فرمایا:

﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِنْ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيلًا وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ﴾

''اور کتنی ہی بستیاں ہیں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا، اُنہیں اپنی معیشت پر بطر تھا۔ یہ اُن کے گھر ہیں، کوئی ان کے بعد ان میں نہ بسا۔ مگر بہت تھوڑے لوگ بسے اور ہم ہی اُن کے وارث تھے۔''

''بطر'' زیادہ سے زیادہ سازو سامان جمع کرنے کی بے لگام خواہش کا نام ہے۔ (unbridled desire to need and want more and more) یعنی دولت کا شوق اس قدر بڑھ جائے کہ انسان کی زندگی کا مقصد ہی محض دولت کمانا اور خرچ کرنا رہ جائے اور دولت سے جو چیزیں حاصل ہوں ان کے بارے میں انتہائی مسرّت ہو۔ یوں سمجھئے ''بطر'' ایک خاص رویّے کا، ایک اخلاقی بیماری کا نام ہے۔ خود ستائش (smug) ہو جانا، معیارِ زندگی (standard of

(living کے لیے تگ ودو کرنا بلکہ معیار زندگی کو ہی پوجنا شروع کر دینا۔اور زندگی کا مقصد معیارِ زندگی کو بلند سے بلند تر کرنا ہو جائے، پیسہ کمانے کا اور خرچ کرنے کا چسکا (obsession) لگ جائے۔اس کا مشاہدہ ہم اشتہارات میں کر سکتے ہیں جس طرح اشتہارات میں انسانی جذبات کو برانگیختہ دِکھایا جاتا ہے کہ منہ کھلے ہوئے ہیں، چہروں پر مسرت (ecstacy) ہے، مصنوعی خوشی کا اظہار ہو رہا ہے، کوئی آئس کریم (ice cream) کھا کر، کوئی چہرے پر کریم (face cream) لگا کر، کوئی کار خرید کر دیوانہ ہوا جا رہا ہے، باچھیں کھلی ہوئی ہیں، نرم گدوں کے خواب دیکھ رہے ہیں، قالینوں کے، پردوں اور صوفوں کے، عالیشان بنگلوں اور کوٹھیوں کے سپنوں میں گُم ہیں، کُل آرزو اور کُل ارمان یہی ہیں۔جس کے پاس یہ سب ہے وہ انہی کی باتیں کر رہا ہے اور جس کے پاس نہیں ہے وہ ان ہی کے خواب دیکھ رہا ہے اور اگر کسی کو یہ حقیر سی متاع مل جائے تو وہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہا۔

## بطر کے معاشی اثرات:

پھر یہ مال و دولت کا اظہار آگے بڑھ کر بیماری کی شکل اختیار کر لیتا ہے، اس طرح سے کہ وہ لوگ جو اپنے ذرائع آمدنی میں ان چیزوں کو حاصل نہیں کر سکتے وہ اپنی استطاعت سے بڑھ کر خرچ کرتے ہیں، قرض لیکر سامانِ آسائش خریدتے ہیں، مصنوعی طور پر معیارِ زندگی (false living standard) بڑھا لیتے ہیں، اسی وجہ سے کریڈٹ کارڈ (credit card) کا کلچر وجود میں آیا ہے۔ دوسروں کے حُسن سے، دولت و شہرت سے، معیارِ زندگی اور نسلی برتری سے مرعوب ہوتے رہتے ہیں۔ دوسری طرف جس کے پاس یہ نعمتیں ہیں وہ خوب اِتراتے ہیں اور اسی کے اندر مگن رہتے ہیں۔اعلیٰ ترین چیز خرید کر گھر میں رکھنا اور اس سے لوگوں کو مرعوب کرنا زندگی کا مقصد ہوتا ہے۔اس خواہش کو پورا کرنے کے لئے قرض بھی لینا پڑے تو لیتے ہیں۔

یہ سورۂ قصص کی بڑی اہم آیت ہے:

﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا﴾ (القصص: ۵۸)

''اور کتنی ہی بستیاں ہم تباہ کر چکے ہیں جن کے لوگ اپنی معیشت پر اترا گئے تھے۔''

جب لوگوں میں اتنی مادّہ پرستی آجاتی ہے تو ان کی معیشت بھی ایک خاص رنگ اختیار کر لیتی ہے۔ معیشت (economy) ایک خاص رُخ پر چل پڑتی ہے۔ اپنی حد سے بڑھ کر خرچ کرنا (living beyond means) ایک مرض بن جاتا ہے۔ اپنی حیثیت سے بڑھ کر زندگی گزارنے کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور پھر یہ نفسیات کریڈٹ کارڈ تہذیب (credit card culture) کو جنم دیتی ہے۔ جیسے آجکل ہمارے ہاں رواج ہے، تنخواہ کم ہے، حیثیت نہیں ہے لیکن کریڈٹ کارڈ (credit card) پر گاڑی یا فرنیچر (furniture) خرید لینگے۔ یہ مرض جس معاشرے میں آجائے تو پھر وہاں کسی کا گھر، رہن سہن دیکھ کر آپ اندازہ نہیں لگا سکتے کہ وہ کتنا کمار ہا ہے کیونکہ جو بیس ہزار کمار ہا ہے وہ بھی دو لاکھ کی چیز خرید لیتا ہے اور جو دو لاکھ کمار ہا ہے وہ تو کروڑوں کی باتیں کرنے لگتا ہے۔ تو معیارِ زندگی (standard living) کو مصنوعی طور پر بڑھا لینا چاہیے باقی زندگی میں کتنی ہی مشکل اُٹھانی پڑے، قرض کے پہاڑ کھڑے ہو جائیں، ''دِکھاوے'' کی علامت ہے۔ ایسے لوگ بازاروں سے جنون کی حد تک محبت کرتے ہیں۔ برانڈ کے نام (brand names) انہی کے دم سے چلتے ہیں، اس سے کم پر ان کا گزارہ نہیں ہوتا۔

دِکھاوا کرنے والوں کا ایک اور رویّہ دیکھنے میں آتا ہے کہ اگر یہ کہیں چُھٹی گزارنے گئے تو ان کو اس بات سے کم ہی مطلب ہوگا کہ ہمیں کہاں زیادہ مزہ آئے گا، کس جگہ تفریح کا موقع ہوگا بس ان کو اس بات سے مطلب ہوتا ہے کہ کس ہوٹل (hotel) میں رہیں گے اور اگر سفر کیا تو فرسٹ کلاس میں سفر کریں گے یا نہیں، نچلے درجے (economy class) میں سفر کرنا ان کے لئے انتہائی بے عزتی کا باعث ہوتا ہے، کسی کو کیا بتائیں گے کہ ہم نے عوامی کلاس میں سفر کیا۔ یہ سب ''دِکھاوے'' کی علامات ہیں۔

آپ نوٹ کر رہے ہونگے کہ اِترانا اور دکھاوا ساتھ ساتھ چل رہے ہیں اسی لئے شروع میں وضاحت کی تھی کہ ''بطر'' ایک دل کی بیماری ہے اور اس کا اظہار دکھاوے اور اِترانے میں ہوتا ہے۔ جن کے اندر بطر ہوتا ہے وہ اپنی ذات کو بہت نُمایاں کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا اظہار آپ کو اپنے معاشرے میں نظر آئے گا بدقسمتی سے ہماری بستی بھی اُن بستیوں میں ہے کہ جہاں ''بطر'' پایا جاتا ہے۔

## جشنِ تہنیت:

''دکھاوے اور اِتراہٹ'' کا لازمی نتیجہ خوشی منانے میں اسراف ہے۔ کسی معاشرے میں اگر یہ مرض دیکھنا ہے تو وہاں کی شادی ملاحظہ کرلیں، بلاشبہ شادی کا موقع بہت مبارک ہوتا ہے لیکن اگر معاشرے میں دکھاوے کا داعیہ ہے تو اس کا اندازہ آپ کو شادی کی تقریبات سرسری نگاہ میں دیکھنے سے ہی ہوجائے گا، صرف شادی کا کارڈ دیکھ کر بھی ہوجائے گا۔ کیونکہ اب تو پوری پوری کتابیں چھپنے لگی ہیں، مخمل لگے ہوتے ہیں، گوٹے کناریاں اور ربن لگے ہوتے ہیں، اور نہ جانے کیا کیا لگایا جاتا ہے۔ مہندی کا الگ، مایوں کا الگ، بارات کا الگ اور ولیمہ کا الگ کارڈ چھپتا ہے۔ اور اُس شادی کے کارڈ کا مصرف کیا ہے، صرف تاریخ پڑھ کر کچرے کی ٹوکری (dustbin) کی نظر کر دیا جاتا ہے۔ بس یہ اطلاع (announcement) دینی مقصود ہے کہ تقریب کب اور کہاں منعقد کی جارہی ہے، تاریخ اور وقت کیا ہے، جگہ کونسی ہے۔ یہ اطلاع اگر ایک دس پندرہ روپے کے کارڈ پر یا کسی کاغذ پر لکھ کر لفافے میں ڈال کر بھیج دی جائے تو بھی مسئلہ حل ہو جاتا، اطلاع پہنچ جاتی۔ لیکن یہاں مقصد صرف اطلاع (announcement) دینا نہیں ہے، ساتھ ساتھ دکھاوا بھی ہے۔ دیکھیں مقصد ٹھیک ہونے کے باوجود دکھاوے کی وجہ سے گناہ سرزد ہوگیا۔

جس کے اندر ''دِکھاوا'' ہوتا ہے وہ اپنے لیے بہت ساری محافل سجانا چاہتا ہے، وہ بتانا چاہتا ہے کہ دیکھو میرے پاس کتنا کچھ ہے، کسی چیز کو صرف حاصل کرنے پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ اسکی نمائش (display) بھی کرتا ہے۔ اِس وجہ سے اخباروں میں بڑے بڑے اشتہارات (announcements) ہمیں ملتے ہیں۔ موت کے موقع پر بھی دکھاوے سے باز نہیں آتے، آدھے آدھے صفحے کے اعلان چھپواتے ہیں تاکہ لوگ جان جائیں کہ پیسے والے کا انتقال ہوا ہے اور اب تو یہ مرض قبرستانوں تک پہنچ گیا ہے، مردے کو دفنانے کے لئے بھی نام والا قبرستان ہو۔ اعلیٰ درجے کے علاقے میں ہو، عام سے قبرستان میں کیسے دفنائیں؟ اللہ نے فرمایا ہے نا!

﴿اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ (١) حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ (٢)﴾ (التکاثر)

''غافل کرر کھا تم کواس تکاثر کی دوڑ نے۔ یہاں تک کہ تم نے قبریں دیکھ لیں۔''

کسی مشہور قبرستان میں اگر جگہ ختم ہو جائے تو دوسری منزل بنا کر کسی مردے کے اوپر دفنا دیتے ہیں۔ مگر کسی چھوٹے موٹے قبرستان لے کر نہیں جاتے۔

## بچوں میں بطر:

سورۂ لقمٰن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ﴾ (لقمٰن: ۱۸)

''اور اپنے گالوں کو لوگوں کے لیے پھیلا کر مت رکھنا اور زمین میں اکڑ اکڑ کر مت چلنا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ شیخی خورے اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔''

یہ دراصل حکیم لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کر رہے ہیں۔ ہمارا کام یہ ہے کہ اپنے بچوں کو اترانے سے بچائیں۔ مہنگی سے مہنگی اور قیمتی سے قیمتی اشیاء استعمال کرنے کی عادت سے بچائیں۔ دراصل ماں باپ بچپن ہی سے بچوں کے اندر یہ جذبہ (tendency) ڈال دیتے ہیں۔ مثلاً ایک سے ایک قیمتی (fancy) پنسل بکس دینا، ایسی گھڑی دلوانا جو بچے سے زیادہ عالم ہوتی ہے وقت تو بتاتی ہی ہے ساتھ ساتھ مہینہ، دن اور تاریخ بھی بتاتی ہے۔ کیلکولیٹر (calculator) بھی ہے، الارم (alarm) بھی ہے، میوزک بھی بجاتی ہے سبھی کچھ کرتی ہے۔ یا پھر اُن کو مہنگے بستے دلاتے ہیں تا کہ اسکول میں دوسرے بچے دیکھ کر اُن کے بچوں سے مرعوب ہوں۔ کہیں چھٹیاں گزار کر آئیں گے تو لوگوں کو بلا بلا کر اس کی ویڈیو (video) دکھائینگے، تصویریں دکھائیں گے کوئی دیکھنا چاہے یا نہ چاہے۔

## دوسروں سے بھی دِکھاوے کا تقاضہ:

ہمارے معاشرے میں لوگوں کا حال یہ ہے کہ خود تو دکھاوا کرتے ہیں، اتراتے ہیں ساتھ یہ بھی چاہتے ہیں کہ ہمارے دوست احباب بھی دکھاوا کریں، جو مہمان ہماری دعوت میں شرکت کریں تو وہ بھی ہمارے رنگ میں رنگ جائیں، سوٹ بوٹ پہن کر تیار (dressed up) ہوں تا کہ پتہ چلے

کہ ہمارے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے بھی ہماری طرح امیر کبیر ہیں، دعوت نامے پر لکھ دیا جاتا ہے کہ مہندی ہے تو ہرا جوڑا پہن کر آئیں، مایوں ہے تو زرد رنگ کا لباس ہو اور شادی پر لال رنگ کے کپڑے پہن کر آئیں۔ اور شادیوں میں جو لوگ بارات کے ساتھ جانے والے ہوں یا ولیمہ میں ساتھ ہوں تو ان سے بھی بھاری زیور اور جوڑوں کی فرمائش کی جاتی ہے یہ دکھانے کے لئے کہ ہمارے رشتے دار اتنے امیر کبیر ہیں تو انسانوں کی تو کوئی حیثیت (value) نہ رہی۔ ہاں مہمان نے کیا پہنا ہے اس کی اہمیت ہے، ایسے چھوٹے چھوٹے معیارات بن جاتے ہیں اور پھر جس کے پاس ایسا لباس نہیں ایسے مہمانوں کو اپنے ساتھ نہیں لے کر جاتے۔ اس حد تک دکھاوا رچ بس گیا ہے۔ یاد رکھیں یہ بطر اور ریا کاری برباد کرنے والی چیزیں ہیں، قوموں کو ہلاک اور برباد کر دیتی ہیں۔

چھوٹے چھوٹے بچوں کی خوشی کا جشن (celeberation) نہایت اہتمام سے منایا جاتا ہے، دھوم دھڑکے سے اُن کی سالگرہ (birthday) منائی جاتی ہے۔ اب وہ زمانہ گیا کہ صرف ایک کیک کاٹ کر سالگرہ ختم ہو جائے اب تو سالگرہ (birthday) کا باقاعدہ موضوع (theme) ہوتا ہے۔ کسی کا موضوع سنڈریلا (cinderella) ہے۔ اس میں ایک سجی سجائی بگھی ہے جس میں سب مہمان بچوں کو باری باری سیر کرائی جاتی ہے، غبارے ہیں، ربن ہیں، رنگا رنگ سجاوٹ ہے اور سارے تحفے ایک طرف سجے ہوئے ہیں اور جس کی سالگرہ ہے وہ سب کی نگاہوں اور توجہ کا مرکز ہوتا ہے، لاکھوں روپے ان تقاریب (occassions) پر خرچ ہوتے ہیں۔ نتیجتاً جو بچے تقریب میں آتے ہیں وہ بھی اپنے والدین سے اسی قسم کی سالگرہ منانے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ لہٰذا پورا معاشرہ ''دکھاوے'' کی لپیٹ میں آ جاتا ہے۔ بعض دفعہ لوگ تحفہ دیتے ہوئے قیمت کا لیبل (price tag) نہیں ہٹاتے تا کہ پتہ چلے کہ کتنا قیمتی تحفہ دیا ہے؟ بطر کا اظہار یوں بھی ہوتا ہے کہ چیز معمولی سی دوکان سے خریدی اور پھر اس کو قیمتی (fancy) تھیلے یا لفافے میں بند (pack) کر کے دے دیا۔ بعض لوگ قیمتی (fancy) تھیلے سنبھال کر رکھتے ہیں تا کہ ہم اپنی چیز ان تھیلوں میں رکھ (pack) کر کے اپنی بڑائی ظاہر کر سکیں۔ دبئی یا انگلینڈ سے لائے ہوئے تھیلے (shopping bags) سنبھال کر رکھ لیتے ہیں۔

آج پوری دنیا دکھاوے کی لپیٹ میں ہے اور بطر ہے ہی پیسے والوں کا مرض۔ امیر ملکوں سے یہ مرض شروع ہوتا ہے، ترقی یافتہ اور دولت مند ممالک اپنی دولت کا اظہار کرتے ہیں اور پھر اُن کی دیکھا دیکھی غریب ممالک بھی وہی سب شروع کر دیتے ہیں۔ آج کی دنیا میں ''بطر'' ہے ہی یورپ اور امریکہ کا مرض، وہاں سے ہوتے ہوتے یہ مرض ہمارے ملک جیسے ملکوں میں بھی آ جاتا ہے۔ اُن ملکوں میں تمام کاروبار کریڈٹ کارڈ (credit card) پر چلتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ہر امریکی بچہ پیدا ہوتے ہی 40,000 ڈالر کا مقروض ہوتا ہے۔ ہسپتالوں کے بل سے لے کر فرنیچر، گاڑیاں سب کچھ کریڈٹ کارڈ (credit card) پر لیا جاتا ہے۔

اس نُمائش کی حوصلہ افزائی اشتہارات کے ذریعے بھی بہت زیادہ کی جاتی ہے کہ دنیا کی چیزوں کو دیکھ کر خوشی سے پھٹ پڑنا۔ دنیاوی اشیاء، عیش وعشرت اور سامانِ آسائش کے اشتہارات کو غور سے دیکھا کریں۔ کسی کے ہاتھ میں آئس کریم (ice cream) ہے تو اُس کی آنکھیں پھٹی ہوئی ہیں اور باچھیں کھلی ہوئی ہیں، کوئی چاکلیٹ کھا رہا ہے تو دوسروں کا منہ کھلا ہوا ہے، برگر (burger) کھا رہے ہیں تو جھوم رہے ہیں۔ گاڑی دیکھی تو آپے سے باہر ہو گئے۔ کوئی سوتے میں گھر کا خواب دیکھ رہا ہے۔ یا کہیں بیٹھا ہے تو اوپر سے پیسے برستے ہوئے محسوس کر رہا ہے، انسانوں کو اس قسم کی لالچی خوشی کا تصور دیا جاتا ہے۔ ان اشتہارات کے ذریعے انسانوں کے ذہنوں میں یہ خیال بٹھا دیا گیا ہے کہ ہمارا سکون اطمینان اور خوشی کا دارومدار صرف اچھا کھانے، اچھا پہننے اور اچھا رہن سہن اختیار کرنے میں ہے۔ ایسے لوگ نشہ آور مسرت (ecstacy) کا شکار لگتے ہیں۔ تمام آسائشوں اور زبان کے چٹخاروں کی وجہ سے حواس باختہ ہو جاتے ہیں۔ اشتہارات میں یہاں تک دکھایا جاتا ہے کہ جس کے پاس اچھا (TV) ہوگا یا اچھی گاڑی ہوگی تو سب سے اچھی لڑکی اُسی کے ساتھ شادی کرے گی۔ بچے بھی یہ سمجھنے لگے ہیں کہ اگر ماں باپ نے ہمیں فلاں موبائل نہیں دلوایا تو وہ ہم سے محبت نہیں کرتے۔ اب تو لوگ بھی صرف ایسے تحفوں پر خوش ہوتے ہیں کہ جو مہنگے ہوں، یہ ہے بطر کا مرض! کن جذبات کے ساتھ، کتنی مشکلات اُٹھا کر یہ تحفہ دیا گیا، کس نیت، کس محبت وخلوص سے دیا گیا اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

قارون سے بنی اسرائیل کے نیک لوگوں نے کہا تھا:

﴿لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ﴾ (القصص:٧٦)

''زیادہ خوشی سے مت پُھول! اللہ حد سے زیادہ خوش ہونے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔''

بازاروں کے مسلسل چکر لگانا اور صرف اس لئے خریداری کرنا کہ اشتہار دیکھ لیا تھا اور جب حواسوں پر یہی چیزیں چھائی رہتی ہیں، اُٹھتے بیٹھتے کپڑا، زیور، مشینی اشیاء (gadgets) انہی چیزوں کے بارے میں تذکرے اور باتیں ہوتی ہیں تو ایسا معاشرہ بطر کا شکار ہو جاتا ہے۔ اپنی حیثیت سے بڑھ کر زندگی گزارنے کا شوق عام ہو جاتا ہے۔ ایک زمانہ تھا جب لوگوں میں قناعت تھی، آدمی جتنا کماتا تھا اُسی معیار (level) پر زندگی گزارتا تھا۔ جو امیر تھے اُن کے طور طریقے مختلف تھے اور جو کم آمدنی والے تھے اُن کے طور طریقے اور تھے۔ لیکن اب کوئی قناعت کی زندگی گزارنے پر راضی نہیں ہے، سب کو وہی چاہیے جو دوسرں کے پاس ہے تو اس طرح معاشرے میں ایک دوڑ (race) لگ جاتی ہے، چھوٹے چھوٹے بچوں کے ہاتھوں میں اب فون (cell phone) نظر آتے ہیں ۔ ذرا سوچیں پانچویں جماعت کے بچے کو فون کی کیا ضرورت ہے، وہ بھی سب سے نیا (latest) ماڈل چاہیے، معمولی چیز کے لئے تیار نہیں ہوتے کیونکہ ضرورت کے تحت نہیں لیتے بلکہ شوق کیلئے اور دوسروں کی دیکھا دیکھی خریدتے ہیں۔ اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ انسان کتنا ہی کمائے، اسکو پورا نہیں پڑتا۔ چین اور سکون رخصت ہو جاتا ہے۔ ایک (rat race) شروع ہو جاتی ہے، قناعت اُٹھ جاتی ہے۔

دِکھاوا اور اِترانا دراصل تباہ شدہ اقوام کا مرض تھا، وہ لوگ خود نمائی میں اتنے مصروف رہتے تھے کہ دوسروں کی تکلیف کا اندازہ تک نہیں ہوتا تھا، بالکل بے حس ہو گئے تھے۔ لوگوں کی قدر و اہمیت صرف اس چیز سے منسلک (attach) ہو کر رہ گئی تھی کہ انہوں نے کتنے کی چیز پہنی ہے یا کس طرح کے گھر میں رہتے ہیں، انسانی قدروں کو ناپنے کا آلہ مال و دولت رہ گیا تھا۔ دراصل یہ خالص مادہ پرستانہ ذہنیت ہے اور بطر کا تعلق اِسی ذہنیت سے ہے۔ یعنی کہ مادے کی پوجا، دولت کی پرستش، زندگی کا مقصد ہی دولت کمانا، بجنا سنورنا، دکھانا، اترانا ہی رہ جائے۔

قارون سے بنی اسرائیل کے نیک لوگوں نے کہا تھا:

﴿لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ﴾ (القصص:٧٦)

''زیادہ خوشی سے مت پھول! اللہ حد سے زیادہ خوش ہونے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔''

بطر کے ساتھ عموماً اسراف کا مرض پایا جاتا ہے۔ نعمتیں مل جانے پر آپے سے باہر ہو جانا، خوشی سے پھولے نہ سمانا (bursting with joy)، خالص مادّے سے خوشی حاصل کرنے والے لوگ (materialist to the core) بطر کا شکار ہوتے ہیں۔

## بطر کے فوری نقصانات:

دکھاوے میں کمیاتِ زندگی (living standard) تو بلند ہو جاتا ہے۔ لیکن معیارِ زندگی (quality of life) کچھ نہیں رہتا۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ طٰہٰ میں بتایا ہے کہ جو اللہ کو اس طرح بھول جائینگے، مادہ پرستی میں لگ جائیں گے تو کیا ہوگا؟

﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى﴾ (طٰهٰ:124)

''اور جس کسی نے میرے ذکر سے منہ پھیرا تو اُن کی معیشت تنگ ہو جائے گی اور آخرت میں اندھے اٹھائے جائینگے۔''

اس کا نقد نقصان یہ ہوتا ہے کہ مثلاً گھر تو بہت خوبصورت ہوتا ہے مگر خاندانی نظام مضبوط نہیں رہتا، گھر ٹوٹنے لگتے ہیں، طلاقیں بڑھ جاتی ہیں، خاندان ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتے ہیں، اولاد گمراہ، نافرمان اور بے راہ روی کا شکار ہو جاتی ہے۔ معاشرے سے سکون واطمینان رخصت ہو جاتا ہے، ہر طرف بے چینی پھیل جاتی ہے۔ سامانِ تسکین کی بہتات ہوتی ہے مگر انسان تنہا رہ جاتا ہے، رشتے ناطے ختم ہو جاتے ہیں۔ مکان (house) تو شاندار ہوتے ہیں لیکن وہ گھر (home) نہیں رہتے۔ پیسہ کمانے کی دوڑ میں اس قدر مصروف ہو جاتے ہیں کہ رشتوں کا تقدس قائم نہیں رہتا، نہ رشتوں کا حق ہی ادا

ہو پاتا ہے، یہ بطر کے معاشرتی نقصانات ہیں۔

دکھاوا کرنے والے لوگ عام طور پر اتراتے بھی ہیں۔ طرح طرح سے اپنی نمائش (show off) کی جاتی ہے، کس کس طرح لوگوں کی توجہ اپنی چیزوں کی طرف مبذول کرائی جاتی ہے، کیسے اپنی اہمیت پیسے کے ذریعے سے جتائی جاتی ہے۔ کوئی پوچھے نہ پوچھے اپنی چیزوں کی ایک ایک تفصیل، قیمت اور جگہ (out let) بتاتے ہیں۔

انسان جتنا زیادہ دِکھاوا کرتا ہے، اپنے مال و اسباب پر اِتراتا ہے اُتنی ہی سراسیمگی (insecurity) بڑھتی جاتی ہے۔ جن چیزوں پر خرچ (invest) کرنا چاہیے وہاں لوگ نہیں کرتے اور صرف دکھاوے میں خرچ کرتے ہیں تو ایک طرح کی نقلی معیشت (bubble economy) پروان چڑھتی ہے اور پھر سب کچھ ایک دم سے ختم ہو جاتا ہے۔

## دکھاوے کا علاج:

اس کا علاج کیا ہے؟ پہلے تو بندہ اللہ سے دعا کرے جو نبی اکرم ﷺ بھی مانگا کرتے تھے۔

((اَللّٰهُمَّ قَنِّعْنِیْ بِمَا رَزَقْتَنِیْ وَ بَارِكْ لِیْ فِیْهِ)) (۱)

''اے اللہ تو مجھ کو مطمئن کردے اس پر جو تو نے مجھ کو دیا اور اِسی میں برکت عطا فرمادے۔''

اس ضمن میں سورۂ کہف کے مضامین پر غور کرنا بھی فائدہ دے گا کہ دنیا کی حقیقت کیا ہے؟ یہ کتنی بے وقعت شے ہے، آخرت کے مقابلے میں کتنی گھٹیا ہے۔ اس کا ایک اور علاج مہینے میں تین روزے رکھنا ہے۔ بھوک کے ذریعے اس کا علاج کیا جاسکتا ہے، جب انسان کے پیٹ میں کچھ نہیں ہوتا، بھوک کا احساس ہوتا ہے تو انسان میں نرمی اور عاجزی آتی ہے۔ مادّی اشیاء کی طلب کم ہوتی ہے اسی لئے رمضان کا مہینہ بطر کو ختم کرنے کیلئے بہترین مہینہ ہے، اسکا ایک اور علاج یہ بھی ہے کہ انسان یہ احساس پیدا کرے کہ دنیا عارضی اور قلیل ہے اور آخرت کے مقابلے میں اس کی کوئی اہمیت نہیں بلکہ آخرت کمانے کا ذریعہ ہے۔ قرآن میں یہ بات صراحۃً موجود ہے:

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبا، کتاب الدعاء، باب مایدعو به الرجل...

﴿وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ﴾ (العنکبوت: 64)

''نہیں ہے دنیا کی زندگی مگر دھوکے کا سامان۔''

کسی کے ہیرے جواہرات دیکھ کر بہت متاثر مت ہوں، تعریفیں نہ کریں۔ دل میں تمنا پیدا مت ہونے دیں، فوراً جنت کا تصور کرلیں۔ وہ ہے اصل مقام اور اصل ٹھکانہ!

دنیا میں مقابلہ بازی (competition) کرنا، لوگوں کی چیزوں پر بات (discuss) کرنا بھی اس مرض کو بڑھانے کا سبب ہے، اگر کسی کا اچھا لباس یا اچھا گھر سجا سجایا دیکھیں تو حسد نہ کریں، اِس دوڑ میں نہ پڑیں کہ ہر اچھی شے میرے پاس بھی ہو، گھر آ کر تقاضے نہ کریں کہ ہمیں بھی وہی چیز چاہئے جو دوسروں کے پاس ہے۔ اگر ضرورت ہے تو ٹھیک ہے لیکن صرف نفس کو تسکین دینے کیلئے اور صرف جمع کرنے کی خاطر خریداری کرنا مناسب نہیں، انسان کو قناعت کی زندگی گزارنی چاہئے۔ بخاری شریف میں حدیث ہے، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

(( لَيْسَ الْغِنَى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلٰكِنَّ الْغِنَى غِنَى النَّفْسِ)) (۱)

''غنا یہ نہیں کہ انسان کے پاس بے شمار چیزیں جمع ہوجائیں بلکہ اصل غنیٰ نفس کا غنی ہوجانا ہے۔''

انسان بے نیاز ہوجائے، دنیا کی محبت دل سے نکل جائے، دنیاوی چیزوں کا ڈھیر جمع کرنے کا شوق ہی ختم ہوجائے، کوئی حرص نہ رہے، مادّی چیزیں بے حیثیت لگنے لگیں۔ اسی طرح موت کو یاد رکھنا کہ اچانک آکر دبوچ لیتی ہے، سب دھرا کا دھرا رہ جاتا ہے، دوسروں میں بٹ جاتا ہے، اگلی دنیا میں یہ مال ومتاع کچھ کام نہ آئے گا۔ ان حقائق کی یاددہانی بھی دنیا کی محبت کو کم کرتی ہے۔

### بطر کی علامات:

اپنے آپ سے یہ سوال کریں کہ آپ عام طور پر بازار کیوں جاتے ہیں؟ کسی ضرورت کے تحت جاتے ہیں تو ٹھیک ہے۔ لیکن اگر شوق یا خواہشات کو پورا کرنے کے لئے جاتے ہیں یا محض بازاروں میں گھومنے پھرنے (window shopping) کے لئے، یعنی خریدنے کی سکت نہیں ہے تو

(۱) بخاری، کتاب الرقاق، الغنی غنی النفس

دیکھ دیکھ کر ہی دل بہلالیں۔اگران وجوہات سے بازار جاتے ہیں تو یہ بطر کی علامت ہے۔

دعوتوں اور شادیوں میں جاتے ہوئے اپنا جائزہ لیجئے۔کیا آپ کو ہر دفعہ نیا جوڑا چاہئے ہوتا ہے کیونکہ پہلا جوڑا سب دیکھ چکے ہیں، یہ خیال ہمارے ہاں کا عام مرض ہے۔ایک جوڑا اگر دو یا دو سے زائد شادیوں میں پہن لیا تو پھر اس کو دوبارہ پہننا بہت ناگوار لگتا ہے، اپنی بے عزتی محسوس ہوتی ہے۔ خاص طور پر دولہے کی والدہ، بہن اور قریبی رشتہ دار تو ضرور نئے کپڑے بنواتے ہیں، پرانے کپڑے چاہے بہت ہی قیمتی کیوں نہ ہوں انہیں دوبارہ نہیں پہنیں گے۔خوشی کے موقع پر جب تک بہت زیادہ خرچ نہ کرلیں لگتا ہے خوشی کا حق ادا نہیں کیا، خوشی کو پیسے کے ساتھ جوڑنا (associate) اور غم کو بھی پیسے کے ساتھ نتھی کرنا مرض ہے۔اب تو بعض لوگ سوئم وغیرہ بھی فائیو اسٹار ہوٹل میں کرنے لگے ہیں۔

اکثر لوگوں کو نئے کپڑے پہننے کا شوق ہوتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں لیکن نئے کپڑے دکھاوے کیلئے نہیں سلوانا چاہئیں کہ ہر تقریب (occasion) پر اچھے بھلے کپڑے موجود ہونے کے باوجود نیا سوٹ سلوانا ہے اور وہ بھی صرف اسلئے کہ پہلا سوٹ لوگوں نے دیکھا ہوا ہے۔جدید موبائل فون اس لئے خریدنا کہ اشتہاری بورڈ (bill board) دیکھ لیا ہے یا پھر اس لئے کہ سب دوستوں کے پاس ہے، میرے پاس کیوں نہ ہو! یہ بھی دکھاوا ہے کہ سب نے نیا ماڈل لے لیا ہے میں پرانا ماڈل کیسے استعمال کروں! لیکن اگر یہی نیا ماڈل اس لئے خریدنا ہے کہ میری ضروریات کو پورا کرتا ہے تو پھر ٹھیک ہے۔

دعوتیں کیوں ہوتی ہیں؟ لوگوں کو خوش کرنا ہے، بڑی اچھی چیز ہے، اچھا جذبہ ہے لیکن اپنی خوشیاں لوگوں کو دِکھانا، اپنی نعمتوں پر اِترانا، اپنی شہرت کے لئے، دکھاوے کے لئے یا کسی سے کوئی کام نکلوانا ہے، اس لیے اگر دعوت کی جائے تو یہ باطل وجوہات ہیں۔اس دعوت کا مقصد سے غرض حاصل کرنا ہے جو کہ پسندیدہ نہیں یا اگر دعوت اس غرض سے ہے کہ تحفے وصول کریں، شادی کی سالگرہ ہے یا بچے کی سالگرہ ہے، ایسے موقع پر لوگوں کو بلا بلا کر تحفے تحائف وصول کرنا، یہ بھی بے غرض دعوت نہیں۔دوست احباب کو یا پھر رشتہ داروں کو کھلانا اجر کا کام ہے۔لیکن یہ کام محض اللہ کی رضا کے لیے کرنا چاہئے۔

ہماری ہاں شادیوں میں لڑکے یا لڑکی کی ماں ایک بستے (bag) میں لفافے لے لے کر جمع

کرتی ہے یا پھر دلہن کے پاس ایک خاتون قلم اور نوٹ بک لے کر بیٹھی ہوتی ہے اور با قاعدہ حساب رکھا جاتا ہے کہ کس نے کتنا دیا، اسی لئے بعض لوگ اگر کسی مجبوری سے نہیں آ پاتے تو تحفہ بھیج کر قرض چکاتے ہیں، یہ لین دین کا کاروبار بن گیا ہے۔ ان باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے نزدیک صرف تحفے کی قدر (value) ہے انسان کی کوئی قدر (value) نہیں۔ ہر دعوت میں کوئی نہ کوئی غرض ضرور ہوتی ہے۔ یہ سب بطر کا مرض ہے۔

اب اگر آپ کو کوئی تحفہ دے اور وہ کم قیمت کا ہو یا آپ کے معیار (standard) کے مطابق نہ ہو تو تحفے کی قیمت مت دیکھیں، اس کے پیچھے دینے والے کے جذبات اور نیت کو دیکھیں اور اس کی قدر کریں یہ بڑا اچھا مزاج ہے، تحفے کی قدر (value) قطعاً کوئی حیثیت نہیں رکھتی اصل چیز تحفہ دینے والے کی محبت کا اظہار ہے، اس کی قدر کریں۔

اپنا تجزیہ کریں کہ میں نعمت ملنے پر اللہ کا شکرادا کرتا ہوں یا آپے سے باہر ہو جاتا ہوں؟ اُچھلنا کودنا، چیخنا چلانا، جھومنا شروع کر دیتا ہوں؟ یا ان نعمتوں کی وجہ سے اللہ کے آگے سجدہ ریز ہو جاتا ہوں۔

کیا میں اس طرح سوچتا ہوں کہ میرے بچے زینب مارکیٹ کے کپڑے نہیں پہن سکتے یا سکول کالج بس میں نہیں جا سکتے وغیرہ وغیرہ۔ اور اگر گفتگو کا پسندیدہ موضوع خریداری (shopping) ہو تو یہ بطر ہے۔ محبت، شہرت، عزت کا معیار صرف چیزیں جمع کرنے اور خریدنے کی استطاعت (capacity) پر ہے۔ اسی سے خوشی ملتی ہے۔ رشتہ لیتے دیتے وقت لڑکا لڑکی کا معیار پیسے والا اور تجدد پسند (modern) ہونے پر ہے۔ یہ سب چیزیں بطر کا اظہار ہیں۔

ہم نے بہت ساری چیزوں کو رسم کے طور پر اپنا لیا اور اُن کو اب ایک ضرورت سمجھنے لگے ہیں۔ ہر عید، بقر عید پر شادی شدہ لڑکی کا جوڑا مٹھائی سمیت جائے اور لڑکے کا جوڑا آئے۔ اسی طرح مختلف رسمیں مہندی، مایوں یا موت کی رسمیں یہ سب غیر ضروری اخراجات ہیں اور ختم ہونے چاہئیں۔ بطر کرنے والے توقعات بھی بہت زیادہ لگاتے ہیں۔ دوسروں سے امیدیں بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ ایسے لوگوں سے دُور رہیں۔ شادی کے موقع پر جہیز اور بَری کا (display) کرنا بہت بُری رسم ہے۔ دکھاوا ہی

دکھاوا ہے اور کوئی مقصد نہیں۔ بطر کرنے والے ایسے تمام دکھاوں اور نمائشوں کی وجہ یہ اظہار بتاتے ہیں کہ یہ سب تو خوشی کا اظہار ہے۔

**راہِ عمل:**

اِن رسموں اور تقریبوں سے بچنا چاہیے۔ لایعنی اور بے مقصد اخراجات بے جا نمائش دکھاوے میں شامل ہوتے ہیں، اپنا جائزہ لیتے رہنا چاہئے۔ دوسروں پر ہنسنا اور تنقید کرنا آسان ہے مگر اپنی خرابیوں کا اعتراف کرنا مشکل ہے۔ ان سب چیزوں کو اپنی زندگی سے نکال دیجئے۔ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ شادی بیاہ کے موقعوں پر قرضوں سے بچائے۔ جو آپکی حیثیت ہے اس کے مطابق ذمہ داریاں ادا کریں۔ لوگوں کی رضا کی خاطر اپنی جان مارنے کی ضرورت نہیں۔ آپ وہ کریں جو آپ کی استطاعت کے مطابق ہے۔ ان بے جا اخراجات کے خلاف، رسموں اور رواجوں کے خلاف جہاد کرنے کی ضرورت ہے۔

ہمارے معاشرے میں بطر ایک محاذ ہے، اس پر ڈٹ جائیں۔ دنیاوی چیزوں میں مقابلہ بازی چھوڑ کر نیکیوں کے میدان میں دوڑ لگایئے، نیکیوں میں بڑھ چڑھ کر مقابلہ کیجئے، دین و دنیا دونوں سنور جائیں گے۔

اگر اللہ نے آپ کو بہت نوازا ہے، بڑا گھر دیا ہے روپے پیسے کی ریل پیل ہے، بڑی گاڑیاں اور نوکر چاکر ہیں تو مزید عاجزی اور انکساری اختیار کیجئے، اپنے آپ کو حقیر سمجھئے۔ ہم اس کے بالکل قابل نہیں۔ یہ سب اللہ کا رحم و کرم ہے جو ہمیں اتنا نوازا ہے۔ کسرِ نفسی (humility) کے ساتھ ان نعمتوں کو استعمال کریں اور دعا کرتے رہیں کہ اے اللہ! تو میرا آسان حساب لے اور اے اللہ! ان چیزوں کی محبت میرے دل میں پیدا نہ ہو، میں اپنی وقعت، اپنا معیار اس مادی چیز کے ساتھ نہ بناؤں۔ اگر میں اللہ کی نظر میں اچھا ہوں، اللہ کا اچھا بندہ ہوں تو ہر جگہ اچھا ہوں، چاہے یہ تمام نعمتیں ہوں یا نہ ہوں۔ اللہ کا شعور کے ساتھ شکر ادا کیجئے، قرآن کا علم سب سے بڑی نعمت ہے، اگر یہ نعمت اللہ نے عطا کر دی تو ساری دنیا سے بہتر ہے۔ اس پر اللہ کا شکر ادا کریں۔ حدیث میں آتا ہے کہ ”جس شخص کو اللہ نے قرآن کی نعمت

دی اور وہ اس کے علاوہ کسی اور چیز پر رشک کرے تو اس نے قرآن کی قدر نہ کی۔"

سورۂ یونس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ﴾

(آیت:۵۸)

"اے نبی ﷺ! کہہ دیجئے جو اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے تو چاہیے کہ وہ اس پر خوشیاں منائیں یہ ہر چیز سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔"

اگر خوشی کا اظہار کرنا ہی ہے تو قرآن کی نعمت پر خوشی کا اظہار کرو۔ دنیاوی نعمتوں پر خوشیاں منانا اللہ کو پسند نہیں۔ قرآن پر خوشیاں مناؤ یہ چیز اللہ کو پسند ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس بطر کے مرض سے نجات عطا فرمائے اور ہم سب کو قانع بنادے۔ **آمین یا رب العالمین!**